بزمِ خیال

صفدر

Price Rs. 2/-

چھپا تھا وہ کس کے جسکی زلف میں نمود تھی ✦ پسلی پھڑک اُٹھی نظرِ انتخاب کی

بزمِ خیال

از

جناب صفدر مرزاپوری

جس مین شعراء اُردو اور فارسی کی مجالس کے لطائف و ظرائف کو
جمع کیا گیا ہی۔ برجستہ گوئی اور حاضر جوابی کے بہترین نمونے دکھائے گئے ہین
فارسی اور اُردو کے ان منتخب اشعار کو لیکر جنکا کسی لطیفہ یا دلچسپ قصّہ سے تعلق ہی۔ اسکی
مُفصّل کیفیت بیان کی ہی۔ خوش مذاق حضرات کے لیئے تفریح
طبع کا بہترین سامان ہی۔ اسکے ساتھ ادبی اور تاریخی ضیافت
ہم خرما اور ہم ثواب کا مصداق ہی۔

ملنے کا پتہ
مینیجر صدیق بُک ڈپو امین آباد پارک لکھنؤ

فہرست لطائف شعراءِ فارسی

چھانٹا وہ دل کہ جسکی ازل مین نمود تھی
پسلی پھڑک اُٹھی نظرِ انتخاب کی

بزمِ خیال

یعنی

شعرائے فارسی و اُردو کے اُن اشعار کا لطیف مجموعہ جن سے کئی دلچسپ قصہ یا لطیفہ کا تعلق ہے

جسکو

دنیائے اُردو کے مشہور سخنور جناب منشی صفدر علی صاحب صفدر مرزا پوری مؤلف مرقع ادب، دورِ فلک، و مشاطۂ سخن وغیرہ نے بڑی کوشش و کاوش سے تالیف فرمایا

اور

مینیجر صدیق بکڈپو امین آباد لکھنؤ

نے

مؤلف سے حق تالیف حاصل کر کے

ہمدم برقی پریس لکھنؤ مین سید علی قادری پرنٹر کے اہتمام سے چھپی

تعداد طبع ۲۰۰۰

قیمت فی جلد عہ

شرح دیوان غالب

از

منشی عبدالباری آسی سکریٹری انجمن خاصان ادب لکھنؤ

اس سے بڑی۔ اس سے زیادہ مفصل۔ اس سے زیادہ مفید شرح نظر سے نہ گذری ہوگی۔ یہ شرح آپکو اور تمام شرحوں سے مستغنی کردیگی جہاں ضرورت سمجھی گئی ہے شارح نے مولانا حسرت موہانی اور طباطبائی کے الفاظ بھی نقل کردیے ہیں اسمیں غالب کے ہر معرکۃ آرا شعر کا دلنشین مطلب لکھا گیا ہے اور اکثر جگہ غالب ہی کے دوسرے اشعار کا حوالہ دیکر مطلب کو مستند کردیا ہے مخصوص مطالب اور مخصوص بحروں میں جو اشعار ہیں انکے مقابلہ میں بالالتزام دیگر اساتذہ ماضی وحال کے کلام کو رکھکر موازنہ کیا ہے جس سے شعراء اردو کی صف میں غالب کا درجہ معلوم ہوتا ہے۔ شارح نے شرح کو شرح کی حد تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک بڑے مشاعرہ کا خاکہ کھینچا ہے۔ یا یوں سمجھیے کہ ایک بڑے ادبی اکھاڑے کا منظر دکھلایا ہے جسمیں غالب کے اردگرد دوسرے شعرا بھی زور آزمائی کرتے ہیں لیکن پھر بھی غالب غالب ہی رہے۔ قصہ طلب اشعار کے متعلق تمام واقعات جمع کردیے ہیں۔ اس شرح کے دیکھنے سے غالب کی زندگی کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ ضرور دیکھیے۔ حجم تقریباً پانچ سو صفحات قیمت قسم اول ہے ر۔ قسم دوم ہجر۔

ملنے کا پتہ صدیق بک ڈپو امین آباد پارک لکھنؤ

دیباچۂ زرین
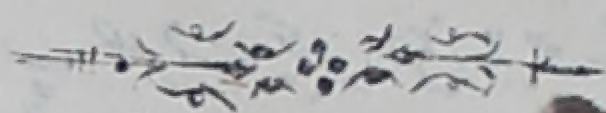
بزم خیال جسکو آپ اب دیکھنے والے ہیں اسکے حسن قبول کا یہ کیا کم ثبوت ہے کہ آج ملک میں پہلی بار نہیں بلکہ چوتھی بار پیارے ناظرین کے سامنے نئے انداز سے آراستہ ہو کر جلوہ آرائے ادب ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے نہ اُسکے مؤلف کو جا بیجا تعریف و تعارف کی حاجت۔ اور نہ اُنکی اس تالیف لطیف "بزم خیال" کو کسی سفارش کی احتیاج۔

جناب صفدر کے دماغ و قلم کی جدت آفرینی و جدت طرازی کے لیے کافی ہے کہ آپ ذرا بزم خیال کو پڑھنا شروع کر دیجیے ایک لطیفہ پڑھ کے خواہ مخواہ جی چاہیگا کہ لاؤ ایک اور دیکھ لیں اور یہ سلسلہ کتاب ختم کئے بغیر کوشش کرنے پر بھی ختم نہ ہوگا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں جس قدر کتاب کی خوبی و لطافت کو دخل ہے اُسی قدر آپ اپنی خوش مذاقی اور نکتہ نوازی کو بھی شرط لازمی سمجھئے۔

"بزم خیال" کہنے کو تو صرف اُن اشعار کا مجموعہ ہے جن سے کسی لطیف قصہ یا دلکش لطیفہ کو تعلق ہے مگر اُن لطائف کو یکجا کرنے میں جناب صفدر نے جو کوشش کی ہے اُسکا صحیح اندازہ کام کرنے والے ہی کو ہو سکتا ہے

لطف بیان و زبان سے زیادہ ہم جناب صفدر کے دماغ کی داد دیتے ہیں کہ جب کوئی بات اُس میں آتی ہے تو نئی، اور جب کچھ اُسے سوجھتی ہے

تو انوکھی - وہ ارباب ادب کی دلچسپیوں کے اندازہ کا بہت اچھا سلیقہ رکھتے ہیں
اُنکی طبیعت کچھ ایسی ندرت کی طرف جاتی ہے کہ مشکل سے کسی اور کا خیال
اُدھر رجوع ہوتا ہوگا - اُنکی اچھوتی سوجھ بوجھ کی گواہ ایک بزم خیال ہی نہیں
بلکہ "مرقع ادب" اور "مشاطۂ سخن" دو اور شاہدِ عادل موجود ہیں میں ناظرین سے
یہ کیوں کہوں کہ آپ اُنہیں بھی دیکھیئے - خود بزم خیال اور آپ کا حُسن مذاق
دونوں مجبور کرینگے - مگر آپ صرف مجبور ہی نہ ہونگے بلکہ مسرور بھی - کیونکہ

مصرعہ: "رنگ خود بول اُٹھیگا کہ یہ مال اچھا ہے"

بزم خیال کو پڑھتے پڑھتے آپ کے کانوں میں ایک آواز بے صدا
محسوس ہوگی کہ میں ہی سرمۂ منت نظر نہیں "مشاطۂ سخن" اور "مرقع ادب"
بھی چشم خریدار کے لئے سامان منت و احسان لئے ہوئے ہیں -

شعر

کہاں ہیں آئیں ادھر دل کے وارنے والے
نکھر چلے مرے گیسو سنوارنے والے

ناچیز
محوی لکھنوی
۱۵ - جنوری سنہ ۱۹۱۸ء

نوٹ - یہ دیباچہ طبع چہارم کے وقت لکھا گیا تھا - اب یہ کتاب پانچویں بار زیور طبع سے
آراستہ ہوکر زینت افزاے بزم ادب ہوتی ہے - پبلیشر

تمہید

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

اُس واہب العطایا کی دین کے صدقے جسے جو چاہا اپنے گنجینۂ فیض سے بے دریغ بخشا۔ حسینون کے حُسن عالم افروز نے وہ دلکش ادائین پیدا کین جسے قیامت کی ہنگامہ آرائی اگر دیکھ لے (اور تو کیا کہون) بس دونون ہاتھون سے کلیجا پکڑ کر رہ جائے۔ لیلیٰ ادا معشوقون کے گھونگھٹ مین چھپے ہوے تیر نظر جس خستہ جگر کے دل پر پڑے کلیجا برماتے ہوئے صاف نکل گئے۔ اگر زلیخا کے ہمنشینون نے لقائے یوسفی سے مبہوت ہوکر ترنج کے بدلے دست نازک کاٹ ڈالے تو کیا کمال ہوا۔ خیر سے آج بھی دُنیا میں ایسے فتنۂ محشر کے نمونے موجود ہین جنکی نازک نازک حنابستہ اُنگلیان چلمن بسر کا سنے میں جس دل جلے کو نظر آئین کلیجے کے ٹکڑے ہوے غریب بے چُھری حلال ہوا۔ اگر آج عذرا کی جادو نگاہیان دیکھنے والی آنکھین سرداب عدم مین محوِ خواب ہوتین اور بتدریج اس زمانہ تک آ ہو چشم حسینون کی نگاہون کا عالم دیکھے ہوتین تو بے تکلف کہہ بیٹھین کہ وامق کی چشم انتخاب نے غلطی کی۔ عذرا کی سی سیکڑون حسین اور وامق سے لاکھون شیدائے حُسن نمکین اس طبقۂ زمین پر گذر گئے۔ مین

پس سچ عرض کرتا ہون کہ لیلیٰ کی زلف گرہگیر اگر مجھ سے بل کی لے تو چاہے میری باتوں کو کوئی مجذوب کی بڑ ہی کیون نہ سمجھے مگر صاف صاف عرض کرونگا۔

مصرعہ۔ بلائے زلف لیلیٰ اجان مجنوں کو مبارک ہو

شیرین کی میٹھی میٹھی باتون نے کوہکن کے شربتِ حیات مین زہر ناکامی گھولا، غریب تیشہ سے سر پھوڑ راہی ملک عدم ہوا۔ ایک کم مایہ سنگ تراش کا سراپردہ شاہی انتخاب ولاجواب شاہزادی پر حالتِ جوش الفت مین جان دینا حُسن و عشق کے کرشمے تھے اُسکی کشش اور اُس کی کاوش کچھ زمانے کی نگاہون سے چھپی نہیں بعض اوقات غربا کے جھونپڑون سے وہ دلربا صورتین نکل آئی ہین جنھون نے شاہون اور شہریارون تک سے خطِ غلامی لکھوالیا۔ اِس پر بھی چین نہ آیا اُن کشتگانِ ناز کی قبرون کو جولانگاہِ سمندِ ناز بنا کے مٹی تک برباد کردی خدا جانے کتنے زیبا رو آتشین خو نظرافروزِ چشمِ عشاق ہوئے اور نہین معلوم کس قدر عشاق نامراد بادلِ ناشاد اِن ظالمون کے ہاتھون مظلوم ہو عدم مین دامانِ کفن سے منھ چھپاسے میٹھی نیند سو رہے ہین اس گمنامی کے صدقے کہ کسی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ کس کا کون قاتل ہے اور کس نے کس کے تیغ ادا کے وار کھا کر اس دُنیا کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا۔ یہ زمانہ کی خوبی ہے کہ جسے چاہے جھنڈے پر چڑھائے اور جسے چاہے قعرِ گمنامی میں گرائے۔ مگر وہ بڑے فرخندہ بخت ہین کہ جنھین اِس زمانے سے نیک نامی کی سند دستیاب ہوگئی سخاوت و مہمان نوازی میں حاتم عدل و داد میں کسریٰ شجاعت و بسالت میں رستم کے ہمپایہ کیا ہوسے ہی نہیں مگر زمانے کی مساعدت نے کچھ ایسا ان کا ساتھ دیا کہ آج بھی انکے نام فلک نام آوری شہرت پر آفتاب تابان کی طرح چمک رہے ہین۔ یہ حق ہے کہ کسی جوہر کی قدردانی انسان کے نام کو مدتون تک صفحۂ ہستی پر یادگار بنا رکھتی ہے۔ فی زمانناً اہل کمال کے فقدان کا باعث بھی غالباً قدردانون ہی کی کمی ہے مگر نہین تجربہ سے یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ حق یہ ہے کہ زمانہ کو ناقدردان ٹھہرانا محض ہٹ دھرمی ہے۔ بلکہ

درحقیقت قابل قدر اشیا ہی کا قحط ہے ورنہ قدردانون کی کمی نہیں ہے ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

یہ کتاب ''بزم خیال'' جو اس وقت آپکے پیش نظر ہے اسکے شان نزول کا مختصر قصہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹ء مین جب خاکسار مؤلف اپنے وطن مین تھا ایک روز خانصاحب محمد مصطفٰے خان صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ مرزاپور کی نشست لب دریا پر بیٹھا ہوا تھا۔ احباب سے دریا کا جمگھٹ تھا۔ پرتکلف و سنجیدہ مذاق کا دفتر کھلا ہوا تھا۔ بندے نے بھی اثنائے گفتگو مین ایک شعر میر تقی میر مرحوم کا پڑھا جس کو اُن کی صاحبزادی سے تعلق تھا وہ یہ کہ اتفاق سے عین شب عروسی اُن کی پیاری بیٹی دنیا سے چل بسی۔ جب اُنھون نے سُنا فوراً سینہ و سر پیٹ لیا اور میت کے سرہانے آکر دردناک لہجے مین فرمایا ؎

اب آیا دھیان اے آرام جان اس نامرادی مین
کفن دینا تمہین بھولے تھے ہم اسباب شادی مین

خانصاحب موصوف پر اسکا بہت اثر پڑا۔ فرمانے لگے کہ تمہارے اسوقت کے بیان سے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ اِس حادثہ جانکاہ کی تصویر آنکھون تلے پھر گئی۔ میرے خیال مین اب تک کوئی کتاب کسی نے اس قسم کی نہین لکھی کہ جسمین اس بات کا خاص التزام ہو اور ہر قسم کے قصہ طلب اشعار ایک کتاب مین پائے جائین اگر تو کوشش کرے تو کیا عجب ہے کہ کوئی ایسی کتاب تیار ہوجائے۔ اور احباب نے بھی انکی رائے سے اتفاق فرماکر بہم اصرار سے میری ہمت بڑھائی۔ اُس روز سے مجھے فکر ہوگئی۔ جہان کہین کسی کتاب مین کوئی ایسا دلچسپ قصہ طلب شعر دیکھا فوراً کتاب یادداشت مین لکھ لیا۔ اور اکثر اشعار جو بزرگون سے سُنتے سُناتے میرے تحویل حافظہ مین محفوظ تھے اُن کو بھی لکھ ڈالا۔ کچھ ایسی دُھن بندھی کہ دو ہی ہفتہ مین ایک کتاب کی صورت پیدا ہوگئی

اس کتاب مین جتنے قصے تحریر ہین سب مستند اور تاریخی ہین کچھ میرے منگڑھت نہین جھوٹ سچ کا الزام جسے تھوپنا ہو ان کے راویون کے سر تھوپے۔ بندہ تو ناقل ہے۔ یہ کتاب بزم خیال چار مرتبہ چھپ کر نظر افروز قدر دانان زبان اُردو ہو چکی ہے۔ یہ اسکا پانچوان اڈیشن ہے۔ اِس مرتبہ میں نے فارسی و اُردو کچھ قصے طلب اشعار کا اور اضافہ کر کے اپنے بساط کے موافق دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ منشا اِس تالیف کا محض خدمت زبان اُردو ہے۔ آدمی ایک کام کو مفید سمجھ کر اُس میں امکان بھر محنت کرتا ہے۔ اُسکی محنت ٹھکانے لگ جائے یہ مقدر کے ہاتھ ہے۔ ع

قبول خاطر و لُطفِ سخن خداداد است

خاکپائے شاعران
صفدر مرزاپوری - از لکھنؤ

بزم خیال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی مقبولیت کلام کی نسبت ایک روایت ہے کہ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے یکایک کھل گئے اور فرشتے نور کے طبق لیکر زمین پر نازل ہوئے اس بزرگ نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فرشتون نے جواب دیا کہ سعدی کا ایک شعر جناب باری مین مقبول ہوا ہے یہ اُسی کا صلہ ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اِس عجیب ماجرے کے سنتے ہی وہ بزرگ خواب سے بیدار ہو گئے اور اُسی وقت شیخ مرحوم کے عزلت کدہ پر یہ مژدہ جانِ پرور سُنانے گئے۔ وہان دیکھا کہ آپ چراغ جلائے بیٹھے ہین اور جھوم جھوم کر کہہ رہے ہین ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

یہ حکایت نہایت مشہور ہے۔ چنانچہ اسی حکایت پر فیضی کے مخالفین نے ایک دلچسپ مضمون تراشا ہے کہ شیخ فیضی نے سُنا کہ سعدی علیہ الرحمۃ کو ایک شعر کے صلے مین

اولیا اکامل کا رتبہ مل گیا۔ اُنھون نے کہا کہ آؤ ہم بھی ایک برجستہ شعر کہکر ولی بنجائین چنانچہ نلدمن کی تمہید لکھتے لکھتے یہ شعر کہا۔

برہمن مُوکہ مے نہی گوش

تُو ارہ فیض اوست درجوش

یہ شعر اُن کو بہت پسند آیا اُسکو بار بار جھوم کر پڑھتے تھے اور سعدی مرحوم کی طرح صلہ کی توقع مین آسمان کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ جب کئی بار پڑھا اور کوئی فرشتہ نور کے طبق لیکر نہ آیا تو ایک مرتبہ بیقرار ہوکر آسمان کی طرف مُنہ اُٹھاکر یہ شعر بلند آواز سے پڑھا۔ اتفاقاً ایک چیل مُنڈیر پر بیٹھی ہوئی تھی فیضی کی آواز سُن کر اُڑی۔ ہنگام پرواز یخال چھوڑی جو اُنکے مُنہ پر آکر پڑی۔ آپ جھنجلائے اور کہا بس معاف رکھیئے ع

"شعر فہمی عالم بالا معلوم شد"

اِس پر لوگون نے اور حاشیہ یہ چڑھایا ہے کہ جب فیضی رومال سے مُنہ کو صاف کر رہے تھے تو پڑوس سے کسی نے یہ شعر پڑھا ؎

جو کی تقلید خسرو کی تو کارکوہکن بولا ۔۔۔ چلا جب چال کوا ہنس کی اُسکا چلن بگڑا

اِس واقعہ کی خبر جب عرفی شیرازی کو ہوئی تو اُس نے ہنس کر کہا مصرع ع

"اینہ انسان میکند بوزتیہ ہم"

سعدی کی نسبت کسی بزرگ کا خواب دیکھنا عقل یا نیچر کے خلاف نہین۔ البتہ فیضی کی نسبت جو روایت ہے وہ سراسر پوچ و لچر معلوم ہوتی ہے اور جو شعر بیان کیا جاتا ہے کہ اتفاقاً کسی نے پڑوس مین پڑھ دیا وہ آتش کا مشہور شعر ہے۔ کہاں فیضی۔ کہاں خواجہ حیدر علی آتش۔ وہی مثل ہوئی ؎

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا ۔۔۔ الا یا ایُّہا السّاقی ادر کاساً و ناولہا

یہ مضمون غالباً عبدالقادر بدایونی کا تراشا ہوا ہے۔ (از حالات سعدی)

ایک دن شیخ سعدی علیہ الرحمۃ سے ایک شخص نے کہا کہ یار تم سیر ہوکر کھانا کیون نہین کھاتے۔ ہوتے ہواتے خواہ مخواہ بھوکون مرتے ہو۔ جس قدر تم

کھاتے ہو اگر ہم کو ملے تو شاید ہمیں نیند بھی نہ آئے۔ اسکے جواب میں آپنے مسکرا کر یہ شعر پڑھا ؎

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است | تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

اُس شخص نے کہا کہ یا رہم سے تو بھوک پیاس مطلق برداشت نہیں ہو سکتی ہمارا تو یہ قول ہے کہ بھوکے رہنے سے سیر ہو کر مرنا بہتر ہے۔ شیخ نے کہا کہ یہ تمہاری سراسر غلطی ہے۔ اوّل تو خدا کا فرمان ہے کہ زیادہ نہ کھاؤ چنانچہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا سے یہ بات مترشح ہوتی ہے۔ اور دوسرے یہ بات آزما کر دیکھ لو کہ جو شخص کم کھاتا ہے وہ بیمار نہیں پڑتا ہے کیا تم نے خراسانی درویشوں کی حکایت نہیں سنی۔ اُس شخص نے کہا فرمایئے۔ شیخ نے کہا کہ دو درویش خراسانی باہم سفر کو نکلے ایک اُن میں دوسرے دن کھانا کھاتا تھا۔ اور دوسرا دن میں تین مرتبہ۔ اتفاقاً ایک شہر میں انکا گذر ہوا۔ وہاں اُنپر کسی نے جاسوسی کی تہمت لگائی۔ بیچارے دونوں گرفتار ہو گئے اور بادشاہ کے حکم سے ایک کمرے میں قید کر دیئے گئے اور اُس کمرے کا دروازہ بھی چُن دیا گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بیگناہ ہیں چنانچہ فوراً انکی رہائی کا حکم ہوا مگر جب مکان کھولا گیا تو وہ پیٹو عدم کو سدھا رچکا تھا لیکن کم خور صحیح و سالم تھا۔

حضرت سعدی علیہ الرحمتہ کو تحصیل علم کا شوق کچھ اس زدر پر تھا کہ آپنے اُسکے لئے اپنا وطن بھی چھوڑ دیا اگرچہ محبت وطن ایسی شے ہے کہ انسان اُس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ مثل مشہور ہے ع "حُبُ الوطن از ملک سلیمان خوشتر" مگر آپنے تمام خیالات دل سے بھلا دیئے اور بیک بینی و دوگوش بغداد کی طرف روانہ ہوئے چلتے وقت یہ اشعار آپکی زبان مبارک پر تھے۔

دلم از صحبت شیراز بکلّی بگرفت | وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم

سعدیا حب وطن گرچہ حدیثیست صحیح | نتوان مُرد بہ سختی کہ من اینجا زادم

ایک روز حضرت سعدی علیہ الرحمتہ شادی کے برخلاف وعظ فرمارہے

تھے - ایک شخص نے کہا "یہیں سنت پیغمبر کو منع کرتے ہو" اس پر آپنے فرمایا کہ آج ہمارے یہاں دعوت ہے جس وقت یہ کھانا کھانے آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ انکی بیوی بلائے ناگہانی کی طرح شیخ کے سر پر سوار ہے۔ شیخ نے کہا بیوی غصہ کو تھوک دو اور ایک مہمان آیا ہے اسکے لئے کچھ کھانے کا بندوبست کر دو۔ اُس خدا کی بندی نے ایک مٹی کی ہنڈیا اُٹھا کر اس زور سے آپ کے سر پر رسید کی کہ گھیرا حمائل ہو گیا اسی حالت میں آپ باہر نکلے۔ مہمان نے پوچھا کہ قبلہ گلے میں یہ کیا ہے۔ جواب دیا کہ بھائی صاحب

ع "در گلویم سنتِ پیغمبر است"

مزاج میں کس قدر ظرافت تھی -

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چند درویشوں کا وزیر سلطنت کی طرف سے کچھ وظیفہ مقرر ہوا۔ مگر اتفاقاً ان میں سے ایک نے کوئی ایسی حرکت کی جو خلاف شانِ درویشان تھی جس سے وزیر ناخوش ہو گیا اور سب کا وظیفہ بند کر دیا۔ سب نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ سے التجا کی کہ تمہاری مدد درکار ہے ورنہ زندگی دشوار ہے۔ آپ نے اُنکی درخواست کو منظور کیا اور وزیر کی ملاقات کو گئے۔ دربانوں نے انکے پھٹے پُرانے کپڑے دیکھکر دروازہ پر روکا۔ اتفاق سے وزیر کو اطلاع ہو گئی۔ خود استقبال کے لئے نکل آیا اور بڑی عزت کے ساتھ اندر لے گیا اور صدر میں بیٹھنے کو جگہ دی۔ آپنے کہا معاف فرمائیے۔ بندہ فقیر اس جگہ کے لائق نہیں ہے

بگذار کہ بندہ کمینم   تا در صفِ بندگان نشینم

وزیر نے کہا " اللہ اللہ کرو یہ کیا بات ہے

گر بر سرِ چشمِ من نشینی   نازت بکشم کہ نازنینی

خیر آپ بعد اصرار کے بعد بیٹھے۔ اِدھر اُدھر کی گفتگو کر کے حرف مطلب زبان پر لائے اور کہا

چہ جرم دید خداوند سابق الانعام   کہ بندہ در نظرِ خویش خوار میدارد

خدائے راست مسلم بزرگی و الطاف   کہ جرم بیند و نان بر قرار میدارد

وزیر اشارہ سمجھ گیا اور وظیفہ پھر جاری کردیا۔ حضرت سنے شکریہ ادا کیا اور چلتے وقت یہ قطعہ پڑھا

چو کعبہ قبلہ حاجت شد از دیار بعید | روند خلق بدیدارش از بسے فرسنگ
ترا تحمل امثال ما بباید کرد | کہ ہیچکس نزند بر درخت بے بر سنگ

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ حسن پرست بھی تھے۔ ایک دن یہ اپنے حجرے میں بیٹھے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کتاب کر رہے تھے کہ انکے ایک دوست جو یوسف جمال اور خجستہ خصال تھے انکے ملنے کے لئے آئے۔ آپ انکو دیکھکر جامے سے باہر ہوگئے اور فوراً تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوے۔ مگر اٹھنے میں انکی آستین سے چراغ گل ہوگیا۔ آپنے کہا مرحبا و خوش آمدید۔ اسکے بعد انہیں بڑے تپاک سے بٹھایا اور انکے آنے پر بہت مسرت ظاہر کی۔ انکے دوست بیٹھ گئے لیکن انکو یہ خیال پیدا ہوا کہ شیخ نے دانستہ چراغ گل کردیا ہے۔ اس پر کسی قدر آزردہ ہوے اور کہا کہ تم نے چراغ کیوں بڑھا دیا۔ سعدی بھی حاضر جواب تھے کہنے لگے کہ میاں خفا نہ ہو۔ چراغ گل کرنے کے دو سبب ہیں ایک تو آپکے آنے سے میں نے سمجھا کہ آفتاب طلوع ہوا۔ اور دوسرے یہ کہ مجھے یہ قطعہ یاد آگیا۔

چون گرانی بہ پیش شمع آید | خیزوش اندر میان جمع بکش
ور شکر خندہ ایست شیرین لب | آستینش بگیر و شمع بکش

ایکدن حضرت سعدی علیہ الرحمۃ شیخ دمشق کی جامع مسجد میں یحیی علیہ السلام کی تربت پر معتکف تھے اتفاق سے وہان ایک بادشاہ جو بے انصافی و ظلم میں مشہور تھا آیا اور نماز سے فارغ ہوکر شیخ کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک دشمن سخت و غنیم زبردست کا خوف ہے آپ میرے حق میں دعا کریں کہ خدا مجھے اس اندیشے سے مخلصی بخشے۔ آپ نے کہا کہ جفا شعاری کو چھوڑ اور کمزور رعیت پر رحم کر تاکہ زبردست دشمن سے محفوظ رہے ؎

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت | دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آباخان جو ہلاکو خان کا بیٹا اور چنگیز خان کا پوتا تھا شیخ

سعدی علیہ الرحمۃ سے کہنے لگا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھا۔

شہے کہ پاس رعیت نگاہ میدارد — حلال باد خراجش کہ مزد چوپانیست

وگرنہ راعیِ خلق است زہر مارش باد — کہ ہر چہ میخورد از جزیۂ مسلمانیست

آباقاخان یہ قطعہ سُن کر آبدیدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ مین راعی ہون کہ نہین۔ آپ نے بےدھڑک کہا کہ اگر آپ راعی ہین تو پہلا بیت آپکے حسب حال ہے ورنہ دوسرا۔

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ حُسن پرست تو تھے ہی جہان کہین کوئی حسین سُن پاتے تھے آپ کو اُسکے دیکھنے کا شوق وہان لیجاتا تھا۔ شہزادۂ اصفہان کے حسنِ صورت کا شہرہ سُن کر آپ نادیدہ مشتاق ہوئے اسی آرزو مین شیراز سے اصفہان آئے جب وہان پہونچے تو آپ نے ایکدن شاہزادے کے سائیس کو جو سواری مین جایا کرتا تھا بلایا اور یہ کہا کہ اگر اجازت دے تو آج مین بجاے تیرے سواری مین چلا جاؤن۔ اِس نے منظور کر لیا۔ حسب معمول شہزادہ کے ہمراہ اُسکے مصاحبین بھی تھے جن کو ذوق سخن تھا بلکہ شہزادہ خود بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتا تھا۔ گاڑی اُڑی ہوئی چلی جا رہی تھی کہ شاہزادے کے گھونگھر والے بال ہوا کے جھونکے سے اُڑ اُڑ کر اُسکے کان کے پاس آنے لگے۔ شاہزادے کی زبان سے بیساختہ نکل گیا ع

زلفِ من خم شدہ در گوش سخن میگوید

جو مصاحبین اُس وقت اُسکے ساتھ تھے اُن سے کہا اِس مصرعہ پر مصرعہ لگاؤ۔ یہ لوگ سوچنے لگے۔ شیخ بول اُٹھے کہ اگر ارشاد عالی ہو تو اس مصرعہ پر مین مصرعہ لگاؤن شاہزادے نے استعجاب سے مُڑ کر انکی طرف دیکھا اور نہین معلوم کیا خیال کر کے کہا، اچھا تم مصرعہ لگاؤ۔ آپ نے یون مصرعہ لگایا۔

زلفِ تو خم شدہ در گوش سخن میگوید — مو بمو حال پریشانیِ من میگوید

شاہزادہ سُن کر پھڑک گیا اور کہا کہ آپ سعدی ہین۔ اُنھون نے کہا بیشک، پھر تو بڑی قدردانی و عزت افزائی کی اور گھر پہونچ کر بڑے دھوم دھام سے ساتھ دعوت کی اور بہت دن مہمان رکھا۔

ایکدفعہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کاشغر کی جامع مسجد مین وضو کر رہے تھے اتفاقاً وہان ایک طالب علم مقدمہ زمخشری ہاتھ مین لئے پڑھ رہا تھا "ضرب زید عمر" آپ نے فرمایا صاحبزادے خوارزم و خطا مین صلح ہوگئی مگر زید و عمر مین خصومت ہنوز باقی ہے۔ طالب علم نے ہنس کر شیخ کا وطن پوچھا۔ جواب دیا کہ خاک پاک شیراز۔ اُس نے کہا کہ سعدی کا کچھ کلام یاد ہو تو سناؤ آپ نے فی البدیہہ یہ کہا

اے دلِ عشاق بدامِ تو صید ما بہ تو مشغول و تو با عمرو زید

دوسرے دن آپ وہان سے چل دیئے۔ اِس طالب علم کو بعد مین کسی طرح سے معلوم ہوگیا کہ شیخ سعدی یہی ہین طالب علم بھاگتا ہوا آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ زہے نصیب جو حضور کی زیارت ہوئی۔ حضور چند روز چل کر شہر مین قیام فرمائین کہ مین بھی خدمتگذاری سے مستفیض ہون اور سعادت دارین حاصل کرون۔ آپ نے جواب مین یہ اشعار پڑھے ؎

بزرگے دیدم اندر کوہسارے قناعت کردہ از دنیا بہ غارے
چرا گفتم بہ شہر اندر نہ آئی کہ بارے بند از دل بر کشائی
بگفت آنجا پریرویان نغز اند چو گل بسیار شد پیلان بلغزند

جب شیخ سعدی علیہ الرحمۃ تبریز مین آئے آپ نے خواجہ ہمام تبریزی کا بہت شہرہ سُنا کسی نے آپ سے یہ بھی کہدیا کہ اُسکا ایک لڑکا یوسفِ ثانی ہے مگر ہمام اُسکو پردے مین رکھتا ہے اور اجنبی اشخاص سے اُسکو ملنے نہین دیتا۔ اُس کے حسن و جمال کا شہرہ سُن کر آپکو غائبانہ اشتیاق پیدا ہوا۔ غرض اسی مطلب کے لیئے آپ پہلے ہی سے ایک حمام مین جاکر چھپ رہے جس مین اُس روز ہمام معہ اپنے پسر کے غسل کو جانے والا تھا۔ خواجہ ہمام اور اُس کے لڑکے کے داخل حمام ہوتے ہی شیخ صاحب گلیم درویشی اُتار کر سامنے کھڑے ہوگئے۔ خواجہ ہمام کو یہ مداخلت بیجا ناگوار گذری اپنے لڑکے کو اپنے پیچھے چھپالیا اور لڑکے کے آگے آپ کھڑا ہوگیا اور سعدی سے جھڑک کر پوچھا کہ تو کہان سے آیا ہے۔ شیخ نے جواب دیا کہ خاک پاک شیراز سے۔ ہمام نے

کہا عجب است در شہر ما شیرازی از سگ بیشتر است - آپ نے اُسکا جواب یوں دیا - برعکس آن در شہر ما تبریزی از سگ کمتر است - اِسی طرح شیخ میں اور خواجہ میں کچھ دیر نوک جھونک ہوتی رہی - جب ہر طرح سے اُنکو غالب دیکھا تو منفعل ہو کر کہنے لگا کہ آخر سلاطین شیراز میں خواجہ ہمام ہیں کے اشعار بھی مشہور ہیں کہ نہیں - سعدی نے کہا بیشک اُس نے کہا - کوئی شعر یاد ہو تو پڑھو - آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

درمیانِ من و دلدار حجاب است ہمام

ہست اُمید کہ او ہم ز میان برخیزد

مطلب یہ کہ ہمام میرے اور میرے معشوق کے درمیان ایک پردہ ہے مجھے امید ہے کہ بیچ سے یہ پردہ ہٹ جائیگا - خواجہ ہمام نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سعدی ہیں - آپ نے کہا بیشک - اِس پر خواجہ نے معذرت کی اور کہا معاف کیجئے گا میں نے پہلے نہیں پہچانا تھا - اِس کے بعد اُس نے شیخ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور اپنے لڑکے کو بھی شیخ کی دست بوسی کا اشارہ کیا اور اپنے گھر لیجا کر کئی دن تک مہمان رکھا -

ایک دن ایک بے انصاف اور ظالم بادشاہ نے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ کون سی عبادت میرے لیئے بہتر اور افضل ہے - آپ نے فرمایا کہ تیرے لیئے یہی بہتر و افضل ہے کہ تو دوپہر کو سو رہے تا کہ اتنی دیر تو خلقت خدا تیرے ظلم و ستم سے بچی رہے - اُسی وقت آپ نے یہ اشعار بھی فرمائے ؎

ظالمے را خفتہ دیدم نیمروز | گفتم این فتنہ است خوابش بردہ بہ
وانکہ خوابش بہتر از بیداریست | آنچنان بد زندگانی مُردہ بہ

آپ جھوٹ کے نزدیک کبھی نہیں جاتے تھے بادشاہ ہو یا وزیر - کسی سے نہ چوکتے تھے اور صاف صاف منہ پر کہدیتے تھے کیونکہ آپکا تکیہ ہمیشہ اِس پر رہا ہے ؎

راستی موجب رضائے خداست | کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی طبیعت میں اگرچہ خاکساری بہت تھی مگر وہ خودداری حفظ مراتب پابندی وضع کو کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے ایک دفعہ اسکندریہ

مین سخت قحط پڑا اِس آفت ارضی وسماوی مین جو سختی درویشون پر گذری اُسکا ذکر کرنا گفتہ بہ ہے۔ قحط کیا تھا ہنگامہ محشر تھا۔ ایک ایک روٹی ہزار ہزار دینار کو بِک گئی۔ اُس زمانہ مین آپ اسکندریہ مین تھے۔ اسی شہر مین ایک خواجہ سرا تھا جو نہایت دولتمند تھا۔ اُسکے یہان غریبون اور پردیسیون کو کھانا اور نقدی ملا کرتی تھی۔ آپکے رفقا آپکے پاس آئے اور کہا کہ چلو اُس حبشی کی دعوت مین چلین۔ آپنے انکار کیا اور کہا کہ شیر بھوک کے مارے مر بھی جائے لیکن کُتے کا جھوٹا کبھی نہین کھاتا اور یہ فرمایا ؎

دونان از دست دونانِ جہان باشد سنان خوردن ؛

سنان در سینہ خوردن بہ کہ از دونان دونان خوردن ؛

ایک مرتبہ **خواجہ علاء الدین** نے تبریز سے جلال الدین خُتنی کو حکم لکھا کہ شیراز مین شیخ سعدی کو ایک ہزار دینار نذر کرو مگر اُس وقت جلال الدین کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے وہ رقم شیخ علیہ الرحمۃ کو نہ ملی۔ شیخ کو جب حقیقت معلوم ہوئی تو یہ قطعہ لکھکر علاء الدین کے پاس بھیجا۔ **قطعہ**

بنام صاحبِ دیوان علائے دولت و دین	کہ دین بملتِ ایام او ہمی نازد
نوشتہ بود بحرمت فرد سعدی را	بسے نماند کہ سر بر فلک برافرازد
مثال داد کہ صدرِ ختن جلال الدین	قبولِ حضرتِ او را تعہدی سازد
دلیکن سرِ او خیل مرگ تاختہ بود	چنانکہ بر ہمہ ابنائے دہر می تازد
جلال زندہ نخواہد شدن درین دنیا	کہ بندگانِ خداوندگار بنوازد
طمع بریدم از و در سرائے عقبیٰ ہم	کہ از مظالم مردم بمن نپردازد

یعنی مین نے جلال الدین سے آخرت مین بھی روپیہ وصول ہونے کی اُمید منقطع کر دی ہے بھلا اُس کو وہان لوگون کے استغاثون سے میری طرف رجوع ہونے کی فرصت کاہیکو ملیگی۔

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی طبیعت مین جنگجوئی نہ تھی اور نہایت صلح کل انسان تھے ایک دفعہ انکے ایک دوست نے ایسی حرکت کی جو آپکے خلاف شان تھی اور جسکے باعث آپ بہت سخت بیزار ہوئے مگر جب آپکا غصہ فرو ہوا تو آپنے

یہ اشعار لکھ کر اُسے بھیجدیئے۔

نہ مارا در جہان عہد و فا بود | جفا کردی و بد عہدی نمودی
بیکبار از جہان دل در تو بستم | ندانستم کہ برگردی بزودی
ہنوزت گر سرِ صلح است باز آ | کزان محبوب تر باشی کہ بودی

ایک دفعہ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ سفر کے تھکے ماندے ایک امیر کے مکان پر تشریف لے گئے وہان اُس وقت شعر و شاعری کی مجلس گرم تھی۔ اصحاب جلسہ اپنا اپنا کلام سُنا رہے تھے۔ آپ سے بھی فرمایش کی گئی انکا اسوقت بھوک سے قافیہ تنگ تھا۔ کہنے لگے کہ بس ایک شعر پر اس وقت اکتفا کرتا ہون سب نے کہا فرمائیے آپ نے فی البدیہ یہ شعر پڑھا؎

من گرسنہ در برابرم سفرۂ نان | ہمچون عزبم بر درِ حمام زنان

صاحب خانہ نے اُسی وقت کھانے کا حکم دیا۔ دسترخوان بچھایا گیا اور گرم روٹی لونڈی نے لاکر رکھی۔ آپ روٹی پر اس طرح گرے جیسے کئی دن کے بھوکے تھے۔ امیر نے کہا کہ جناب ذرا توقف فرمائیے کوفتے بھُن رہے ہین۔ آپ ہنسے اور کہا؎

کوفتہ بر سفرۂ من گو مباش | کوفتہ را نان تہی کوفتہ است

ایک روز کا ذکر ہے کہ کسی نے حضرت سعدی علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اس سے پہلے تو یہ ایک گروہ تھا جو بظاہر "پریشان" تھے۔ اور باطن مین "جمع" اور اب وہ ایسا گروہ ہے جو ظاہر مین "جمع" اور باطن مین "پریشان" ہے اور پھر اسیوقت یہ قطعہ موزون کر کے پڑھا۔

چہ ہر ساعت از تو بجائے رود دل | بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
ورت مال و جاہست و زرع و تجارت | چو دل با خدا ایست خلوت نشینی

واضح ہو کہ تصوف وہ علم ہے کہ اسمین ذات و صفات باریتعالی کی بابت بحث کی جاتی ہے تاکہ علم صالح سے خدا کو حاصل کرین اسکا موضوع ذات خداوندتعالی ہے اور اس علم کی غایت یہ ہے کہ علم صالح سے انسان کو نصیحت ہو پس شیخ سے

سائل کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ وہ کیا چیز ہے کہ جس سے تصوف کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب شیخ نے یہ دیا کہ عمل صالح سے جس سے انسان بظاہر پریشان ہوتا ہے مگر باطن مین اُسے جمعیت حاصل ہوتی ہے پھر ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ آج کل اُلٹا حال ہے لوگ نمازین پڑھکر اور روزہ رکھکر دکھاوا کرتے ہین اور ظاہر یہ کھانے کی کوشش کرتے ہین کہ اُنکی خاطر جمع ہے مگر باطن مین پراگندہ خاطر ہوتے ہین۔

حضرت حافظ شیرازؒ

امیر تیمور لنگ نے ایک مرتبہ بلبل شیراز جناب حافظ علیہ الرحمۃ کو بُلواکے پوچھا کہ کیون حضرت یہ سمرقند و بخارا تو میرا ہے۔ آپ نے جو یہ لکھا ہے ؎

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را　　بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

تو آپ اسکے دینے والے کون۔ حافظ علیہ الرحمہ نے اُسکے جواب مین جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔ "ازین غلط بخشی ہاست کہ بفقر و مسکنت میگذارم"

مطلب یہ کہ ایسی ہی غلط بخشیون سے مین فاقہ مست ہو رہا ہون۔ امیر تیمور لنگ آپکے اس جواب پر مسکرائے اور بہت خوش ہوئے۔ اُسی وقت آپ کو خلعتِ فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔

ایک مرتبہ غیاث الدین[۱] والی بنگالہ بیمار ہوا۔ حکیمون نے علاج خارجی مین غسل بھی تجویز کیا۔ بادشاہ نے یہ خدمت اپنے تین پرستارون کو جن کے نام سرو و گل و لالہ تھے سپرد کی۔ ان پرستارون نے اپنی خدمتون کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حتیٰ کہ بادشاہ کو شفائے کلی حاصل ہوگئی بادشاہ نے اس خدمت کے صلے مین تینون پرستارون کے مراتب اعلیٰ کئے اور اُن سے محبت بھی کرنے لگا۔ اس پر اور حرمون کو حسد ہوا۔ اُنھون نے حقارتاً انھین غسالہ کے لقب سے پکارنا شروع کیا۔ شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کو پہونچی۔ وہ ہنسا اور اُسی حالت مین بیساختہ اُسکی زبان سے یہ مصرع نکل گیا۔

---

[۱] غیاث الدین کی حکومت بنگال مین ۷۶۹ھ سے ۷۷۵ھ تک رہی۔

مصرعہ ساقی حدیث سرو وگل ولالہ می رود

مضمون دلپسند تھا چاہا کہ دوسرا مصرعہ لگائے مگر نہ ہو سکا۔ شعرائے دربار سے مخاطب ہو کر دوسرے مصرعہ کی فرمایش کی مگر سب کا مضمون کوتاہ قافیہ تنگ ہو گیا ناچار سب نے عرض کی کہ اس مصرعہ پر بجز حافظ شیراز کے دوسرا شخص مصرعہ نہین لگا سکتا۔ بادشاہ نے فوراً چند خادم بنگالہ سے شیراز کو روانہ کئے۔ جب یہ لوگ آپکی خدمت مین پہونچے آپ نے اُنکی اور اُنکے بادشاہ کی تمام سرگذشت سُنی اور مصرع پر مصرعہ لگا کر اس طرح مطلع کر دیا ؎

ساقی حدیث سرو وگل ولالہ می رود

وین بحث با ثلاثہ غسالہ می رود

"ثلاثہ غسالہ" میخوارون کی اصطلاح مین اُن تین پیالہ ہائے شراب کا نام ہے جن کو بادہ خوار علی الصباح نوش کر کے شب کی کدورت دور کرتے ہین۔ واقعات کے اعتبار سے لالہ کا قافیہ غسالہ بالکل معمولی تھا جو شعرائے بنگالہ کے سامنے موجود تھا مگر چونکہ وہ حافظ کی طرح اصلی اور حقیقی بادہ خوار نہ تھے اس لیئے دماغ اور خیال مین تمام اسباب بادہ خواری حاضر اور مجتمع نہ ہونے کی وجہ سے اس قافیہ کو نہ اپنے لفظون مین ترتیب دے سکے اور نہ بامعنی منظوم کر سکے۔ حافظ نے اسی ردیف و قافیہ مین پوری غزل لکھکر بادشاہ کی خدمت مین روانہ کر دی جسکے دو شعر اور درج ذیل کئے جاتے ہین ؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند	زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین	خامش مشو کہ کار تو از نالہ می رود

جب نادر شاہ بادشاہ ایران نے ہند پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو اپنے تمام افسرون کو خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی کے مزار پاک پر لیگیا اور دیوان مین سے فال نکالنے کا حکم دیا۔ کتاب کو کھولا تو پہلے اشعار جو نکلے وہ یہ تھے ؎

سزد کہ از ہمہ دلبران ستانی باج	چرا کہ بر سر خوبان عالمے چون تاج
دو چشم مست تو برہم زدہ خطا و ختن	بچین زلف تو ماچین و ہند دادہ خراج

مگر بعض یہ کہتے ہیں کہ نادرشاہ نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا کہ یہی اشعار نکلیں کچھ ہو، اہل ایران کا اس بات پر بڑا اعتقاد ہے وہ کہتے ہیں کہ بارہا ایسا ہوا ہے، کہ حافظ علیہ الرحمۃ کی روح نے دیوان میں حلول کر کے سب حال راست راست کہہ دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص آغا ہاشم جو مشہور درویش تھا فوت ہو گیا۔ اُسکے دوستوں نے چاہا کہ اسکو حافظ علیہ الرحمۃ کے مقبرے میں دفن کریں مگر مقبرے کے سجادہ نشین نے اجازت دینے سے انکار کیا۔ آخر سب کی رائے یہ ٹھہری کہ بذریعہ فال دیوان میں سے حال دریافت کیا جائے۔ چنانچہ دیوان کھولا تو یہ شعر نکلا ؎

رواق منظر چشم من آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

صاحب مفتاح التواریخ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ حافظ نے اپنے ایک مربی اور دوست خواجہ امین الدین حسن وزیر سلطان ابو اسحاق سے ملنے کے لیے اصفہان کا سفر کیا۔ ہنوز اُنکے پاس تک نہ پہونچنے پائے تھے کہ ملازمان امین الدین حسن نے انکو ایک شرابی سمجھ کر علت بدمستی میں گرفتار کر لیا اور شہر میں تشہیر کرایا۔ ناگاہ یہ خبر خواجہ امین الدین حسن کو پہونچ گئی۔ فوراً حافظ کو اپنے پاس بلوایا اور جو شخص اس تشہیر کا بانی ہوا تھا اُس کی نسبت حکم صادر کر دیا کہ باقی حصہ شہر میں وہ مثل حافظ کے تشہیر کیا جاوے حافظ نے اپنے دوست کی شکرگذاری میں ایک غزل لکھی جس کے تین شعر درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

مرا عہدیست با جانان کہ تا جان در بدن دارم — ہواداری کویش را چو جان خویشتن دارم
الا اے پیر فرزانہ مکن عیبم ز میخانہ — کہ من در ترک پیمانہ دلی پیمان شکن دارم
برندی شہرہ شد حافظ پس از چندین ورع اما
چہ غم دارم کہ در عالم امین الدین حسن دارم

مفتاح التواریخ میں ایک حکایت درج ہے کہ خواجہ حافظ زمانہ شاہ شجاع میں ایک نوجوان مفتی زادہ پر عاشق ہو گئے کچھ دنوں تو اپنی حالت کو پوشیدہ رکھا مگر ایک عرصے کے بعد معاملہ طشت از بام ہو گیا۔ ایک روز مفتی زادہ کو ساتھ لیکر جناب حافظ ایوان شاہی کے پچھواڑے مے نوشی میں مشغول ہوئے۔ وہ اپنے نزدیک تخلیہ میں تھے مگر بادشاہ جھروکے سے نظارہ کر رہا تھا خواجہ نے جام کو شراب سے بریز کر کے مفتی زادے کو دیا۔ اُس نے جام مُنہ سے لگایا ہی تھا کہ بادشاہ نے آواز دی۔ ع

حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش

حافظ نے فوراً جواب دیا۔

در عہد بادشاہ خطا بخش و جرم پوش

اِس سراسیگی اور بد حواسی میں مصرع پر فقرہ مصرعہ لگا دینا حافظ کے خیالات کی تیزی اور طبیعت کی برجستگی کی ایسی مثال ہے جس سے بالاتر کسی دوسرے شاعر میں نہیں ہو سکتی

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ میرزا فضل اللہ شیرازی جو علامہ تفتازانی کے شاگرد تھے اور اُس زمانے میں سلطان محمود شاہ بہمنی والی جنوبی ہند کے وزیر تھے۔ حافظ شیرازی کا شہرہ سُن کر اپنے بادشاہ کی طرف سے حافظ کو دکن میں طلب کیا۔ آپ آمادۂ سفر ہو گئے مگر ابھی کشتی میں سوار ہو کر جزیرہ خرمز سے جزیرہ فارس تک پہونچے تھے کہ باد مخالف کا سامنا ہو گیا اِس قدر گھبرا گئے کہ کشتی کنارے پر پہونچا دی گئی حافظ نے اُسی حالت میں ایک غزل لکھکر مرزا فضل اللہ کو بھیجدی جسکے چند اشعار ندر ناظرین ہیں۔

دمے با غم بسر بردن جہان یکسر نمی ارزد	بمے بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد
بس آسان مینمود اول غم دریا بوی سود	غلط گفتم کہ ہر موجش بصد گوہر نمی ارزد
چو حافظ در قناعت کوش و از دنیائے دون بگذر	کہ یک جو منت دونان بصد من زر نمی ارزد

اور آپ کشتی سے اُتر کر سیدھے شیراز کو چلتے ہوئے۔ اور تمام عمر دریا کے سفر سے حذر کیا۔

حیات خاتون۔ شیراز میں ایک ظریفہ و عارفہ عورت تھی۔ حافظ شیرازی سے

ایک مرتبہ اُس سے ملاقات ہوئی۔ حافظ شیرازی نے یہ غزل اپنی پڑھی ؎

دردم از یار ست و درمان نیز ہم — دل فدائے او شد و جان نیز ہم

جب یہ شعر پڑھا۔

اعتمادے نیست بر کار جہان — بلکہ بر گردون گردان نیز ہم

حیاتِ خاتون نے فی البدیہہ یہ شعر نو کہا۔

حافظا این می پرستی تا بکے — من ز تو بیزار و دستان نیز ہم

خواجہ حافظ نے کہا۔

بر جہان کہنہ ماہم بگذریم — چون گدا بگذشت سلطان نیز ہم

بلبلِ شیراز جناب حافظ علیہ الرحمۃ کا جب وصال ہوا علماء دین نے آپکے لیئے یہ فتویٰ دیا کہ بہت بڑے شراب خوار تھے۔ اُنکے جنازے کی نماز درست نہیں مگر کچھ لوگ اُنکے بھی طرفدار تھے وہ کہتے تھے کہ یہ بہت بڑے درویش باکمال ہیں نماز ضرور پڑھنی چاہیئے۔ آخر میں یہ فیصلہ ٹھہرا کہ انہیں کے دیوان سے فال دیکھی جائے اور جو شعر نکل آئے اُسی پر عمل درآمد ہو۔ جس وقت دیوان کھولا گیا یہ شعر نکلا ؎

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ
کہ گرچہ غرق گناہ ست میرود بہ بہشت

جس وقت یہ شعر فال میں نکلا سب کو آپ کے درویش باکمال ہونے کا یقین کامل ہوگیا ایک جماعت کثیر نے آپکے جنازے کی نماز پڑھی چنانچہ ابتک آپکے دیوان میں لوگ فال دیکھتے ہیں اور اہل ایران کا بہت بڑا عقیدہ ہے کہ جو بات ہونے والی ہوتی ہے بالکل صحیح نکلتی ہے اور واقعی ہے بھی ایسا ہی۔

نور جہان بیگم کا قصہ مشہور ہے کہ جب اِسکا ہار چوری گیا تو دیوان حافظ میں فال دیکھنے بیٹھی رات کا وقت تھا جو لونڈی شمع اُس وقت ہاتھ میں لئے دکھا رہی تھی وہی چور تھی۔ فال میں یہ مصرعہ نکلا ؏

"چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد"

شہر کٹک صوبہ بہار و اُوڑیسہ مین ایک لڑکا سید محمد حسین متوطن محلہ معصوم پور وہ جب تقریباً ۱۵ سال کا تھا انٹرنس کے امتحان مین فیل ہوگیا فیل ہونے کا غم اُسے اتنا ہوا کہ وہ گھر سے بھاگ کھڑا ہوا اسکے اعزہ اُسکے یکایک گم ہونے سے نہایت پریشان ہوئے۔ اُسکے چھوٹے بھائی سید محمد محسن صاحب جو اُس وقت اسی صوبہ مین ڈپٹی کلکٹر ہین اپنی دادی کے مضطر و پریشان ہونے کے باعث اپنے چند عزیز لڑکون کے ساتھ اُسکی تلاش مین نکلے۔ بارہ بجے رات کو اُسی شہر مین ایک بزرگ نے اُن بچون کو سرگردان و پریشان حال دیکھکر استفسار حال کیا۔ ان بچون نے اپنے بھائی کے غائب ہو جانے کا حال اُن سے بیان کیا اُنھون نے فوراً دیوان حافظ فال دیکھنے کے لئے کھولا۔ لسان الغیب حضرت حافظ علیہ الرحمۃ کیا صاف فرماتے ہین۔

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعان غم مخور
کلبۂ احزان شود روزے گلستان غم مخور

اسکے دوسرے دن وہ گم شدہ لڑکا مل گیا۔

شاہزادی زیب النساء

زیب النساء نہایت رحیم مزاج واقع ہوئی تھی اپنے کنیزون اور خدامون کے ساتھ نہایت نرمی کے ساتھ سلوک کرتی تھی فغفور چین نے شاہجہان شہنشاہ ہند کو ایک آئینہ بطور تحفہ بھیجا تھا وہ آئینہ عالمگیر سے زیب النساء کو ملا تھا۔ روشن نامی لونڈی سے یہ قیمتی آئینہ اتفاقیہ ٹوٹ گیا۔ یہ اپنے دل مین بہت ڈری اور شاہزادی کے حضور مین کانپتی ہوئی حاضر ہوئی اور یون عرض کی ع

از قضا آئینۂ چینی شکست

شاہزادی نے نہایت دریا دلی سے ہنسکر جواب دیا ع

خوب شد اسباب خود بینی شکست

زیب النساء نے ایک مرتبہ یہ بنظیر مصرعہ تحریر فرمایا ع

از ہم نمی شود ز حلاوت جُدا لبم

اس مصرعہ پر دوسرا مصرعہ موزون کرنے کے لئے اور شاعرون سے ارشاد کیا جہان تک ہو سکا لوگون نے زور طبیعت دکھایا۔ مگر ناصر علی سرہندی نے نہایت گستاخانہ طور سے یون مصرعہ لگایا ع

گو یا رسید بر لب زیب النساء لبم

لیکن زیب النساء نے نہایت تحمل کو کام فرمایا اور اپنے گستاخ ہمعصر کو صرف تنا لکھکر بھیجدیا

ناصر علی بنام علی بردہ پناہ   ورنہ بذوالفقار علی سر بریدمت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ زیب النساء اپنی کم سنی کے زمانہ مین آگرہ کے قلعہ مین محل کے اوپر کھیل رہی تھی اسکی سہیلی نے ایک دیوار کے سوراخ مین ایک لکڑی ڈالدی اور کہنے لگی "نیمے درون نیمے برون" اس پر سب لڑکیان ہنسنے اور شور مچانے لگین۔ زیب النساء کے جدامجد شاہجہان بادشاہ جو اُس وقت آنکھون سے معذور تھے اس محل کی مسجد مین رہتے تھے بچون کو شور مچاتے سنا تو بہت خفا ہوے اور لڑکیان ڈرین کہ شاید شاہ عالیجاہ نے "نیمے درون نیمے برون" والا فقرہ سُن لیا۔ سب بھاگین لیکن زیب النساء کو ذرا بھی ہراس نہ ہوا بلکہ آگے بڑھی اور کہنے لگی داداجان ہم کہہ رہے ہین سہ

از ہیبتِ شاہِ جہان لرزد زمین و آسمان

انگشت حیرت در دہان نیمے درون نیمے برون

ایک دن زیب النساء شب کے وقت اپنے محل مین سوئی تھی۔ اسکی وزیرزادی جس کی قابلیت و شوخی طبع کو زیب النساء کی فیض صحبت نے اپنا ہی ہمسر بنالیا تھا۔ اسکی آرامگاہ مین آئی تو دیکھا کہ شہزادی کمال نیند مین سرشار ہے پاس ادب سے جگا نہ سکی۔ یہ اشعار لکھکر اُسکے سرہانے رکھدیئے اور چلدی سہ

تو بہ خواب ناز بودی   من از رقیب پنہان

کف پات بوسہ دادم   زحنا شنیدہ باشی

جب شاہزادی خواب ناز سے بیدار ہوئی یہ شعر اپنے سرہانے پایا۔ دوسرے دن اتفاق سے وزیرزادی اپنے شوہر کے ساتھ ہمخواب تھی۔ زیب النسا اپنے رخ انور پر نقاب ڈالے ہوئے اسکے آرامگاہ کی طرف چلی۔ گو خواصین لونڈیان سب تھین مگر کس کی مجال تھی کہ شہزادی کو روک سکے۔ وہان جاکر جو اُسنے دیکھا تو یہ اپنے شوہر کے ساتھ بے خبر سو رہی تھی۔ اِس نے جگانا مصلحت وقت نہ سمجھا اور یہ شعر لکھکر وہین کھآئی

بسرت قسم کہ روزے | من بدور ستی
کہ تو ہم ندیدہ باشی | ز تو دیدہ ام ادائے

اے سبحان اللہ کیسی کسر نکالی ہے۔

ایک دن زیب النسا رخ انور پر نقاب ڈالے ہوئے اپنے بالاخانہ پر ٹہل رہی تھی۔ ایک شاعر ایران کے رہنے والے بھی اُس طرف اتفاقیہ آنکلے۔ شاہزادی کو دیکھکر آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

برده برداز نظر محتاج است
مرہمے داغ جگر محتاج است

زیب النسا بھلا کب اپنے نسبت ایک چبھتا ہوا شعر سُن کر خاموش رہ سکتی تھی فوراً اُسکے جواب مین یہ شعر پڑھا ؎

اگر من پردہ بردارم فتد بر آسمان غوغا
کہ یارب این چہ طوفان است مہ شد بر زمین پیدا

اللہ رے غرور حُسن۔

ایک مرتبہ ایک ایرانی شاہزادے نے جو زیب النسا کا نادیدہ مشتاق تھا۔ طرحی غزل مین یہ مطلع لکھا ؎

ترا اے مہ جبین بے پردہ دیدن آرزو دارم
تجلی ہائے حسنت را رسیدن آرزو دارم

شاہزادی سُنتے ہی فوراً بھانپ گئی اور دوسرے روز غزل مین منجملہ اور اشعار کے یہ شعر

بھی پڑھے جس سے شاہزادے کو بالکل مایوسی ہوگئی ؎

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا | بُت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
ہمچو بو پنہان شدم در رنگ گُل مانند گُل | ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

مطلب یہ کہ میرے حُسن کو دیکھکر باغ مین بلبل پھول کے عشق سے باز آسئے اور برہمن بُت پرستی ترک کر دے۔ جس طرح پھول کے رنگ مین بو چھپی ہوتی ہے اسی طرح مین اپنے کلام مین چھپی ہون پس جسے دیکھنا ہو وہ مجھے میرے کلام مین دیکھے۔

ایک روز زیب النساء شام کے وقت تفریح باغ سے دل بہلا رہی تھی۔ عالم بیخودی مین سرو سے لپٹ گئی جب اُسکے جسم نازنین کو اُس سے تکلیف پہونچی تو بیساختہ اسکی زبان سے یہ قطعہ نکل گیا۔ قطعہ

وائے بر شاعران نادیدہ | غلطے را بخود پسندیدہ
سرو را قد یار مے گویند | سرو چوب است ناتراشیدہ

ایک دن شہنشاہ اورنگ زیب نے زیب النساء کی خواصون مین سے ایک خواص کو حکم دیا کہ مجھے نماز صبح کے قبل جگا دینا۔ اِس کو اس خوف سے رات بھر نیند نہ آئی کہ مبادا میری آنکھ لگ گئی تو بادشاہ کی حکم عدولی ہوگی اور غضب ہوجائیگا رات جاگتی رہی۔ مرغ اکثر رات کو بھی بول اُٹھتے ہین اُس روز بھی جب اُس نے مرغ کی آواز سنی تو سمجھی کہ صبح ہوگئی فوراً بادشاہ کو جگا دیا حالانکہ ابھی رات بہت باقی تھی اور تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ بادشاہ نماز تہجد سے فارغ ہوکر آرام کرنے کو پلنگ پر گئے تھے کہ یکایک اِس نے پھر جگا دیا۔ یہ تکلیف بیجا انکے خلاف مزاج ہوئی۔ اِس خواص پر بہت ہی برہم ہوے اور بادشاہ کی زبان مبارک سے یہ کلمہ نکل گیا "سر بُریدن لازم است"

جب اس نے بادشاہ کی زبان سے یہ کلمہ سُنا۔ اپنی زندگی سے مایوس ہوگئی زیب النساء کے آرامگاہ مین ڈرتی ہوئی آئی چپکے چپکے پانون دبا کر اُٹھایا۔ شاہزادی نے اسکی حالت دیکھکر جگانے کا سبب پوچھا۔ اُس وقت یہ آنکھون مین آنسو بھر کر بولی کہ اب مین حضور کے پاس آخری سلام کے لئے حاضر ہوئی ہون۔ میرا پیمانۂ عمر لبریز ہو چکا۔ شاہزادی کے اصرار سے

اِس نے کل واقعہ کہہ سنایا۔ زیب النسا رنے اسکو تسکین دی کیونکہ اسکو وہ بہت عزیز رکھتی تھی صبح حسب عادت بادشاہ کے سلام کو حاضر ہوئی۔ وہ گنہگار لونڈی بھی دست بستہ بادشاہ کے روبرو کھڑی تھی۔ زیب النسار نے پوچھا اباجان اسکے لئے حضور کا کیا حکم ہو بادشاہ نے پھر وہی جملہ کہا "سر بریدن لازم است"۔ زیب النسا رنے کہاکہ حضور ؎

سر بریدن لازم است آن مرغ بے ہنگام را
این پری پیکر چہ داند وقت صبح و شام را

بادشاہ مسکرائے اور اُس خواص کا خون معاف کر دیا۔

ایک مرتبہ زیب النسار نے روشن نامی کنیز کو یہ حکم دیا کہ سامنے والے کمرے سے میری بیاض اُٹھالا۔ یہ بیاض لارہی تھی کہ محلسرا کا حوض راستہ مین پڑا۔ سُرخ مچھلیاں چھوٹی ہوئی تھیں یہ اُن کا تماشا دیکھنے لگی۔ بیاض اُسکے ہاتھ سے حوض مین گر گئی۔ شاہزادی کی خدمت مین حاضر ہو کر اُس نے یہ رباعی پڑھی جسکو اُس نے اُسی وقت موزون کیا تھا۔

آن بیاض خاصۂ شاہی کہ در وے ہر طرف ۔۔۔ چون کواکب نقطہ ہائے انتخاب افتادہ است
این زمان از دست کوشش خام خاکش در دہن ۔۔۔ چون بیاض سینۂ ماہی در آب افتادہ است

زیب النسار اس رباعی کو سُن کر خاموش ہوگئی۔

زیب النسار کو ایک مرتبہ اورنگ زیب نے شعر گوئی سے منع کیا تھا۔ کیونکہ اُسے شاعری سے سخت نفرت تھی۔ مگر زیب النسا جس کی طبیعت مین قدرتی مناسبت اس فن سے تھی وہ کب رک سکتی تھی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ اورنگ زیب باغ مین جلوہ فرما تھا۔ بہار کے دن تھے۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے باغ کی کلیان چٹکتے پتے پر نیا جوبن پھولون کی مہک وہ بلبلون کی چہک ؎

حُسن مین درتھا باغ رضوان کا ۔۔۔ بابِ پنجم تھا یا گلستان کا

سامنے زیب النسا بھی ادب سے بیٹھی ہوئی کسی کتاب کے مطالعہ مین مشغول تھی کہ یکایک اسکی شوخی طبیعت نے اسکو بیچین کر دیا۔ بادشاہ کا رُعب گو کسی قدر مانع تھا مگر اُبھرے

جوشِ طبیعت نے اُس کو بالکل بیخود کردیا اور بیساختہ اُسکی زبان سے یہ شعر نکل گیا

اے عندلیب نالان دم در گلو گرہ بند

نازک مزاج شاہان تاب فغان ندارد

بادشاہ سُن کر بہت محظوظ ہوا۔ اُس روز سے پھر اسکو شعر گوئی کی اجازت دیدی۔

ایک روز زیب النسا رگلناری جوڑا زیب تن کئے بام قلعہ پر چہل قدمی کر رہی تھی۔ عاقل خان گورنر لاہور اسی کے جنون عشق مین قلعہ کی فصیل کے نیچے نیچے جا رہے تھے۔ جب نواب صاحب کی نظر اس غیرتِ گل و غنچہ کے باغ حُسن پر پڑی۔ پھر کیا تھا متاع صبر و ہوش کھو بیٹھے بیساختہ اُنکی زبان سے یہ مصرعہ نکل گیا

سُرخ پوشے بہ لب بام نظر مے آید

زیب النسا یہ سُن کر چونک اُٹھی دیکھا تو ایک خوش رو سرو قد نوجوان دیوار کے قریب کھڑا ہے زیادہ غور سے دیکھنے لگی ان حضرت نے پھر بآواز بلند پڑھا۔

"سُرخ پوشے بہ لب بام نظر مے آید"

زیب النسا کب اپنی نسبت ایک چبھتا ہوا مصرعہ سُن کر خاموش رہ سکتی تھی فوراً جواب دیا

نہ بزاری نہ بزور و نہ بہ زر مے آید

یہ کہا اور نگاہون سے غائب ہوگئی۔

عاقل خان اور زیب النسا سے اکثر چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ زیب النسا نے یہ شعر لکھا ؎

گرچہ من لیلیٰ اساسم دل چو مجنون در ہواست ۔ سر بصحرا میزدم لیکن حیا زنجیر پاست

جسکے جواب مین عاقل خان کہتا ہے ؎

عشق تا خام ست باشد بستۂ ناموس و ننگ ۔ پختہ مغزانِ جنون را کے حیا زنجیر پاست

جسکے جواب الجواب مین زیب النسا کہتی ہے ؎

پاکبازانِ محبت را حیا باشد مدام

چون تو مرغ بے حیا را کے حیا زنجیر پاست

جب عاقل خان گورنر لاہور زیب النسا پر عاشق ہوا - رات دن اسی کی فکر وصال مین پریشان و سرگردان رہا کرتا تھا - زیب النسا بھی اس سے محبت کرتی تھی - ایک دن عاقل خان لاہور کے اس باغ مین جو زیب النسا نے بنوایا ہے - جو ابھی بن رہا تھا مزدورون کا بھیس بدلے گارے کا کونڈا لیکر بے تکلف پہرے کے اندر گھس گیا جہان جہان بڑے بڑے راج کام کر رہے تھے اس مکان زیر تعمیر کے سامنے والے مکان مین زیب النسا اپنی سہیلون کے ساتھ چوسر کھیل رہی تھی - عاقل خان نے باواز بلند یہ مصرعہ پڑھا ع

من در طلبت گرد جہان سے گردم

زیب النسا آواز سے پہچان گئی اور فوراً اس طور سے جواب دیا ع

گر باد شوی تا بسر زلفم نرسی

زیب النسا کے حسن دلفریب کا شہرہ ایک زمانہ مین تھا اکثر لوگ اسکے حسن کلام پر مائل ہوے - ایران کا ایک شاہزادہ جو خود بھی نہایت حسین و طباع آدمی تھا اس پر عاشق ہوا - شوق دیدار مین ایران سے دلّی آیا - ایک معمولی حیثیت سے یہ یہان آیا اور اس فکر مین رات دن پریشان تھا کہ کیونکر اس گل خوبی کا نظارہ ہو - لوگون سے دریافت کیا کہ شاہزادی کا میلان طبیعت کس طرف ہے کسی نے کہہ دیا کہ وہ نہایت جفا کار و ظالم ہے آپ اس خیال سے باز آئیے کیونکہ ؎

دیکھنا بھی تو اُس کا مشکل ہے | کہ وہ لیلی میان محمل ہے
آدمی کیا ملک سے پردہ ہے | بلکہ چشم فلک سے پردہ ہے

اسکو مایوسی تو ہو گئی مگر ایک دن یہ شاہزادہ اُسکے باغ مین کسی طور سے پہنچ گیا - جب زیب النسا سیر باغ کے لئے آئی تو اُس نے بھی ایک گلدستہ اپنے ہاتھون سے پھولون کا بنا کر شاہزادی کے سامنے پیش کیا یہ دیکھتے ہی سمجھ گئی اور یہ شعر پڑھا ؎

بگو اے عاشق صادق چرا گلدستہ آوردی
دل بلبل شکستی بہر ما گلدستہ آوردی

شاہزادے نے اُسکے جواب مین یہ شعر پڑھا ؎

برائے زینتِ دستت نہ این گلدستہ آوردم ۔ بخوبی لاف میزد گل بہ پشت بستہ آوردم

شاہزادی سُن کر پھڑک اُٹھی فوراً نقاب اُٹھا دی اِس نے جی بھر کے نظارۂ جانان کر لیا

زیب النسا پر جب دشمنون نے جھوٹا اتہام عاقل خان سے لگایا اور اُس پر عتاب عالمگیری نازل ہوا۔ اور قید ہوئی اُس وقت اپنے ستانے والے کو مخاطب کر کے اُسنے اپنی پاکدامنی کی یون قسم کھائی۔ ہائے کیا کہتی ہے ؎

قسم بہ کعبۂ حاجات و احمدِ مرسلؐ

کہ پاکبازیِ من باعثِ گناہِ من است

زیب النسا ایک مرتبہ بازیگر کا تماشا دیکھ رہی تھی بازیگر کی عورت بلند بانس پر چڑھ کر قلے کھا رہی تھی ۔ چونکہ نہایت حسین عورت تھی شعرا و حاضرین مین سے کسی نے اُسکی تعریف مین یہ شعر موزون کر کے پڑھا ؎

این لعبت بوالعجب کہ بر نے پیدا ست ۔ یک تازہ گلے کہ بر سرِ شاخ رعناست

زیب النسا نے سُنا تو کہا ؎

نے نے غلط است کافتاب محشر

بر نیزہ بر آمد و قیامت برپاست

زیب النسا ایک دن شام کے وقت سیر باغ مین مشغول تھی نرگس کا ایک پھول اس نے سر مین لگا لیا اتفاق سے عاقل خان جو اس کے تیر نظر کا بسمل تھا آگیا دیکھتے ہی اِس نے یہ شعر پڑھا ؎

نرگس زدہ بر سر از شوق تو نرگس ۔ خم کردہ رخِ خویش کہ رخسار تو بیند

زیب النسا نے فوراً ہی اُسکے جواب مین یہ شعر کہا ؎

این نہ نرگس کہ تو دیدی بہ سر افسرِ من

بہ تماشائے تو بیرون شدہ چشم از من

ایک مرتبہ اورنگ زیب نے یہ مصرعہ موزون کیا اور

زیب النسار سے اِس پر مصرعہ لگانے کو کہا مصرعہ یہ تھا ع

دلیران را دلیری بعد مردن بیشتر باشد

انکی زبان سے یہ مصرعہ نکلا تھا کہ فوراً ہی اِس نے دوسرا مصرعہ یون لگایا ؎

دلیران را دلیری بعد مردن بیشتر باشد
کہ چرم گرگ تیغ شیر افگن را اسپر باشد

فی البدیہہ جواب دینے مین اسکو وہ ملکہ حاصل تھا جو کہنہ مشق اُستادون کو بھی شاذ و نادر ہوا کرتا ہے۔

زیب النسار ایک دن شام کے وقت سیر باغ مین مشغول تھی اِس نے ایک شعر موزون کیا اور اُسکو بڑے ذوق و شوق سے بار بار پڑھتی جاتی تھی اور دل ہی دل مین مزے لے رہی تھی۔ شعر یہ تھا ؎

چہار چیز غم از دل برد کدام چہار
شراب و سبزہ و آب روان و روئے نگار

یہ اُس وقت ایسی محو و بیخود تھی کہ بادشاہ اورنگ زیب بھی آگئے مگر اسکی محویت نے اتنی اجازت نہ دی کہ یہ بادشاہ کی آمد کو آنکھ اُٹھا کر دیکھ تو لیتی اور برابر اسی شعر کو پڑھتی رہی یہان تک کہ بادشاہ بہت قریب آگئے اور اُنہون نے پورے طور سے سُن بھی لیا۔ اُس وقت کچھ یہ اپنے دل مین ڈری کیونکہ بادشاہ کو اِس قسم کے اشعار سے بہت نفرت تھی فوراً ہی اِس طرح پلٹ کر پڑھنے لگی ؎

چہار چیز کہ غم می برد کدام چہار
نماز و روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

بادشاہ اُسکی اس حرکت کو سمجھ گئے کہ اس نے دوسرا مصرعہ صرف میرے خوف کی وجہ سے بدل دیا ہے۔ مگر ساتھ ہی اپنے دل مین اپنی پیاری بیٹی کی حُسن لیاقت سے خوش ہوگئے۔

بادشاہ عالمگیر نے جب عاقل خان گورنر لاہور کو جسے زیب النسار سے سچا عشق تھا طلب کیا اور بادشاہ کا اسکے اِس طلب کرنے سے مطلب تھا کہ حسب

خواہش زیب النسار یہ اُس سے عقد کردے۔ مگر لوگون سے اُسکو لکھ دیا کہ بادشاہ تمہاری فکر مین ہے۔ تمہاری اور زیب النسار کی درپردہ محبت کا حال اُسے معلوم ہو چکا ہے۔ اب آگر اُس کا نتیجہ بھگتو۔ اِس خوف سے اس نے صاف انکار کر دیا۔ بلکہ نوکری تک سے دست بردار ہو گیا اور سب سے چھپ کر دہلی چلا آیا جب زیب النسار کو یہ بات معلوم ہوئی اس نے اسکی عقل پر نہایت تاسف کیا اور خفیہ طور سے اس کے پاس یہ مصرعہ لکھ بھیجا ع

شنیدم ترک خدمت کرد عاقل خان بنادانی

اسکے جواب مین عاقل خان نے یہ مصرعہ لکھا ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

شیخ علی حزین

شیخ علی حزین جس وقت ایران سے آکر بنارس مین اقامت گزین ہوے انکی نسبت اکثر لوگون کا یہ خیال تھا کہ یہ کیمیا جانتے ہین۔ اکثر لوگ انکو درویش باکمال کہا کرتے تھے۔ اُس وقت بنارس بھی اودھ مین شامل تھا۔ مملکت الدولہ بہادر والی اودھ نے جب شیخ علی حزین کے درویش باکمال ہونے کا شہرہ سُنا۔ انکو بھی اشتیاق ہوا کہ چلکر اُن کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیے۔ آپ اسی شوق مین بنارس آیے اور جناب حزین کے دولتکدے پر تشریف لے گئے۔ حزین کی عالی دماغی و نازک مزاجی تو مشہور تھی انکا یہ حکم تھا کہ جب تک اجازت نہ دین کوئی ہمارے پاس نہ آسکے۔ جب مملکت الدولہ بہادر انکے در دولت پر پہونچے دربان نے کہا کہ حضور ذرا ٹھہر جائین مین اجازت لیلون تو اندر تشریف لے جائیے۔ انکو دربان کی یہ مداخلت بہت ناگوار معلوم ہوئی اور یہ مصرعہ لکھکر دربان کو دیا کہ اچھا مین جاتا ہون یہ حزین کو دیدینا۔ مصرعہ یہ تھا ع

در درویش را دربان نباید

جس وقت چوبدار نے حزین کے سامنے یہ مصرعہ لیجا کر پیش کیا اور کل واقعات زبانی

کہے۔ آپ نے فوراً قلم اٹھاکر اُسکے جواب مین بے تکلف لکھدیا ع

بباید تا سگِ دنیا نیاید

نواب سُن کر حیران ہو گئے۔ پھر اُنھون نے بہت چاہا مین ملون مگر حزین نے منظور نہ فرمایا ناچار واپس گئے۔

شیخ علی حزین کا ملازم رمضانی نہایت حاضر جواب و قابل آدمی تھا۔ ایک دن کا تذکرہ ہے کہ جنابِ حزین شب کو اُٹھے رات کا اندازہ انکو نہ ہوا رمضانی کو جگاکر پوچھا۔ ع

امشب چہ قدر رسیدہ باشد

رمضانی نے دیکھا تو آدھی رات آ چکی تھی کیا کہتا ہے۔ ع

زلفش بہ کمر رسیدہ باشد

اللہ اللہ کیا طبیعت پائی تھی۔

ایک موقع پر جنابِ حزین کو مکھیان بہت دق کر رہی تھین آپ نے فرمایا

ع رمضانی مگسان می آیند

رمضانی نے بلا تامل جواب دیا ع

ناکسان پیش کسان می آیند

اِس جواب سے حزین بہت خوش ہوے۔

ایک دن کا تذکرہ ہے کہ حزین سیر باغ مین مشغول تھے۔ گیندے پر نظر جا پڑی اور بیساختہ یہ مصرعہ زبان سے نکل گیا۔

رمضانی گل صد برگ چرا می خندد

رمضانی نے فوراً ہی جواب دیا کہ حزین کا بھی جی لوٹ گیا۔ رمضانی کہتا ہے ع

بر فنائے خود و بر غفلتِ ما می خندد

اللہ اللہ کیا مصرعہ لگایا ہے۔

شہر کے ایک شیخ زادے جو سخت غبی واقع ہوے تھے اور شاعری کا دعوے

رکھتے تھے۔ ایک دن مولانا جامی علیہ الرحمۃ کے پاس آئے اور کہا کہ مین نے آپکی اس غزل پر ؎

بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی
ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

غزل لکھی ہے چنانچہ وہ غزل سنائی۔ پھر مولانا کے اس مطلع پر اعتراض جڑا اور کہا۔ "اگر گاوے یا خرے پیدا شود"۔ مولانا نے فرمایا "پندارم توئی"

ساغری ایک بغلول شاعر تھا اُسے آتا جاتا کچھ نہ تھا لیکن اپنے آپ کو خلاق المعانی کہتا تھا۔ مولانا جامی علیہ الرحمۃ کی خدمت مین اکثر آیا کرتا تھا۔ ایک دن اُس نے مولانا سے کہا کہ جب مین کوئی اچھا شعر کہتا ہون تو دوسرے شعرا اُسکا مضمون چرا لیتے ہین۔ مولانا کو اسکے جہل مرکب پر ہنسی آئی اور یہ دو شعر کہے ؎

ساغری میگفت دزدان معانی بردہ اند ہر کجا در شعر من یک معنی خوش دیدہ اند
دیدم اکثر شعرہایش را یکے معنی نداشت راست میگفت او کہ معنیہاش را دزدیدہ اند

ترجمہ - یعنی ساغری کہتا تھا کہ شعرا میرے اشعار مین جو اچھے مضمون دیکھتے ہین چرا لیتے ہین۔ مین نے اسکے اکثر اشعار دیکھے درحقیقت اُن مین کوئی مضمون ہی نہ تھا بیچارہ سچ کہتا تھا کہ لوگ اُس کے معنی چرا لیتے ہین۔

یہ قطعہ ہرات کی گلی گلی مین مشہور ہو گیا۔ ساغری مولانا کے پاس شکایت لائے کہ آپ نے یہ کیا لکھ دیا۔ قطعہ بچہ بچہ کی زبان پر ہے جدھر سے گذرتا ہون لوگ مجھ کو سناتے ہین۔ مولانا مسکرائے اور فرمایا کہ بھائی مین نے تو شاعرے می گفت لکھا تھا۔ لوگون نے تمہارا مذاق اڑانے کی غرض سے ساغری کر لیا ہوگا۔ اب مین کیا کرون۔

؎ فارسی مین "ہرکہ" ذوی العقول کے لیئے آتا ہے جیسے عربی مین مَن۔ اور ہرچہ غیر ذوی العقول کے لیئے جیسے عربی مین ما۔ شیخ زادے نے یہ غلطی کی۔ "ہرکہ" ہرچہ کے معنی مین لے لیا ہے۔

ایک پُر لطف ادبی مکالمہ

حضرت عُرفی شیرازی ایک روز کسی باغ مین سیر کی غرض سے گئے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ پہلے سے موجود اور مصروف سیر و تفریح ہے یون مکالمہ شروع ہوا۔

عرفی: تو کیستی؟
اجنبی: تو کیستی؟
عرفی: من شاعرم۔
اجنبی: من ماعرم۔
عرفی: ماعر کرامی گوید؟
اجنبی: شاعر کرامی گوید؟
عرفی: شاعر او کہ شعری گوید۔
اجنبی: ماعر او کہ معری گوید۔
عرفی: معر کرامی گوید؟
اجنبی: شعر کرامی گوید؟
عرفی: شعر کلام موزون را می گوید کہ در بحرے گفتہ می شود۔
اجنبی: معر ملام موزون را می گوید کہ در معرے مفتہ می شود۔
عرفی: قدرے از معر بگو۔
اجنبی: قدرے از شعر بگو۔
عرفی: کبک از رفتار او گشتہ خجل۔
اجنبی: ہبک از مفتار او مشتہ مجل۔

(از بیاض محوی لکھنوی)

آخر عرفی کو خاموشی کے سوا اور کچھ بن نہ پڑا اور اس برجستہ جواب کے سنتے ہی ایک طرف کی راہ لی۔

عرفی شیرازی کا ایک دیوان جسمین چھ ہزار اشعار تھے تلف ہو گیا جس پر وہ ہمیشہ افسوس کرتے رہے چنانچہ ان اشعار کے غم مین ایک قصیدہ نظم کیا جسکا ہر شعر ایک مرثیہ ہے۔

عمر در شعر بسر بردہ و در باختہ ام | عمر در باختہ را بار دگر باختہ ام
العطش میزند از تشنہ لبی ہر مویم | کہ قدحہاے پُر از خون جگر باختہ ام
شاید ار تلخ کشیم نالہ ز پیرہان سخن | طوطی گرسنہ ام تنگ شکر باختہ ام
مصحف شرع ہنر چون نہ شود محو کہ من | شش ہزار آیت احکام ہنر باختہ ام
گفتہ گر شد ز کفم شکر کہ ناگفتہ بجاست | از دو صد گنج یکے مشت گہر باختہ ام
صد مصیبت کدہ در ہر سخنم مدغم بود | گریۂ نیم شبے آہ سحر باختہ ام

عرفی نے اپنے نزع کے ہنگام مین یہ رباعی کہی تھی - رباعی

باقی دم نزع است ہمان مستی تو | آیا بچہ امید بنہ بستی تو
آمرزش دوست نقد کونین بکف | جویاے متاع است تہی دستی تو

(از بیاض عزیز لکھنوی)

میر ناصر علی سرہندی

نواب ذوالفقار خان ناظم سرہندی کو شاعرون سے بہت اُلفت تھی جب اُنھون نے میر ناصر علی سرہندی کی تعریف سُنی تو برہمن نام شاعر کو جو اُنکے دربار مین تھا اُنکی طلب مین بھیجا - میر صاحب نے پہلے تو جانے سے انکار کیا اور کہا "بابا مین تو فقیر ہون" مگر برہمن بلا کا لسّان تھا کسی نہ کسی ڈھنگ سے انکو دربار تک لیگیا اتفاقیہ بات کہو یا میر صاحب کی سبز قدمی سمجھو - میر صاحب ابھی علیک سلیک کر کے بیٹھے ہی تھے کہ لونڈی نے اندر سے آکر اُنکی اکلوتی اور لاڈلی صاحبزادی کے وفات کی خبر سُنائی - مجبوری کا مقام تھا نواب صاحب کو زنان خانے مین جانا پڑا مگر چونکہ میر صاحب کی طبیعت سے واقف تھے کہ نہایت نازک مزاج ہین مبادا متغض ہو کر چلے نہ جائین - اُلٹے پانون واپس آگئے - یہان آکر جو دیکھا تو میر صاحب

لب سے کافور ہو چکے تھے۔ نواب صاحب کو بہت حیرت ہوئی۔ اور جو فقرہ زبان سے نکلا وہ یہ تھا۔ "ارے کوئی جانا وہ تو میری ہجو لکھ ڈالیگا"۔ برہمن نے پھر تکلیف کی اور میر صاحب کے گھر گئے وہاں جا کر دیکھا کہ واقعی وہ ذوالفقار خان کی ہجو لکھ رہے ہیں۔ برہمن نے ہاتھ پکڑ لیا۔ میر صاحب نے سبب پوچھا۔ تو کہا "واہ صاحب واہ۔ نام تو ہو علی اور ذوالفقار کی ہجو"۔ میر صاحب کو یہ برجستہ فقرہ بہت پسند آیا اور کہا کہ افسوس مجھے مقدور نہیں ورنہ جو مانگتا بلا عذر دے دیتا۔ اب بھی جو کچھ میرے اختیار میں ہے مانگ۔ برہمن کو جب موقع ہاتھ لگا تو عرض کی کہ میرے ساتھ پھر دربار چلئے اور اس ہجو کی جگہ مدح لکھ دیجئے میر صاحب چونکہ زبان دے چکے تھے اُسکی درخواست کو قبول کی اور یہ قطعہ لکھا۔

قطعہ

اے شانِ حیدری ز جبین تو آشکار | نامِ تو در نبرد کند کارِ ذوالفقار
دشمن کُش جہاں ہم دوست پروری | فتح و ظفر چو بختی مستند در قطار
تسخیر دوستانِ الٰہی نمودہ | اے نو بہارِ خلق تو بر بوئے گل سوار
مرغِ دلم بہ نیم نگہہ صید کردہ | اے طائرانِ عرش خانگیٔ شکار
ترسم کہ از تغافلِ ناز تو خون شود | آں دل کہ بردی از من بیدل بمن سپار
یارانِ چند در فن خود ثانی خوداند | این جمع را بیک نظرِ عاطفت شمار

ناصر علی تراز تو خواہد مراد بس
اے ابر فیض بر ہمہ عالم گہر ببار

برہمن کے ساتھ جا کر سر دربار یہ قطعہ جس وقت پڑھا نواب نے نہایت متانت کے ساتھ ان کی قادر الکلامی کی داد دی اور اسی کے صلہ میں وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔

جزاک اللہ فی الدارین خیرا

فردوسی و منوچہر بلخی

۳۹۵ھ مین جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کے راجہ بجے رام پر چڑھائی کی۔ منصور جو انکے لشکر کا سپہ سالار تھا ایک جری و نوجوان بہادر حسین آدمی تھا اُس نے راجہ کو شکست دیکر راجپوتون کا تعاقب کیا سلطان کو اس منصور کے ساتھ بے انتہا محبت تھی اور اس بہادر نوجوان کو وہ دل سے پیار کرتا تھا۔ جب منصور کو کئی دن ہوے اور یہ واپس نہ آیا اُس وقت سلطان کے دل مین اسکی جانب سے طرح طرح کے انتشار پیدا ہونے لگے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ سلطان اپنے دربار مین اس شان سے جلوہ فرما تھا کہ تخت کے سامنے دونون طرف کرسیون کی قطارین تھین۔ داہنے طرف وزرا و سرداران فوج زرہ بکتر سے آراستہ بیٹھے تھے اور بائین طرف کرسیون پر شعراے اہل مذاق بیٹھے ہوے تھے جنکا نام آج تک ہر لائق و مہذب سوسائٹی مین لیا جاتا ہے۔ فردوسی عصابری منوچہر بلخی حکیم عنصری سب اپنے اپنے رتبے کے موافق کرسیون پر بیٹھے ہوے تھے اور بار بار موقع پا کے اپنی مدحت سرائیون سے دربار مین ایک جوش و خروش پیدا کر دیتے تھے سلطان نے یکایک فردوسی کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا اور فردوسی نے کھڑے ہو کر اپنے لہجہ مین یہ قطعہ پڑھا ؎

جہاندار محمود شاہِ بزرگ … بآبے خوراند ہمی میش و گرگ

چو کودک لب از شیر مادر بشست … بہ گہوارہ محمود گوید نخست

سلطان نے اپنی شاہانہ متانت کے ساتھ فردوسی کی نازک خیالی اور قادر الکلامی کی داد دی جسکے ساتھ تمام اہل دربار خصوصاً شعرا نے نعرہ تحسین و مرحبا بلند کیا فردوسی آداب شاہی بجا لاکر بیٹھ گیا۔ اسکے بعد منوچہر بلخی کی طرف متوجہ ہوا۔ منوچہر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور یہ قصیدہ نہایت خوش الحانی سے پڑھنے لگا۔

قصیدہ

بوے چمن آمد برف جبل گداخت … گل ہا شگفتن آمد و بلبل بہ بوستان

آن دور شد کہ ناخن درندہ تیز بود — دان روزگار رفت کہ گرگی کند شبان

بر بقعہ کہ چشم عنایت کند خدائے — فرمان دہے کند ز بر خلق مہربان

وان ہم چو حضرت شہ محمود نامور — جم مرتبت پناہ جہان قیصر جہان

شاہیکہ عرض لشکر منصور گر دہد — از قیروان سپہ بکشد تا بہ قیروان

سلطان روم و روس بمنت دہد خراج — جیپال وہند وسند ہمہ گردن کشد فلان

ملکے بدین لیاقت وحکمے بدین نسق — خوش شد اندر ہمہ شہنامہ داستان

اے آفتاب ملک بسے روز ہا بتاب — وے سایہ خدائے بسے سالہا بمان

خالی مباد گلشن حضرت اے مجلست — ز آواز بلبلان سخن گوے مدح خوان

ان اشعار پر تمام دربار سے آفرین وسبحان اللہ کی آوازین بلند ہو رہی تھین مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ صرف سلطان نے چار ہی پانچ شعر شوق سے سُنے تھے کہ کچھ سوچ مین آگیا۔ اِس امر کی طرف اہل دربار کا خیال اُس وقت گیا جب سب لوگ ساکت ہوے۔ اور بادشاہ کو ایک تفکر کے عالم مین پایا۔ اُس وقت سلطان کے چہرے سے غصّے اور غم کے آثار نمایان تھے پیشانی پر شکنین پڑی ہوئی تھین۔ آنکھین سُرخ تھین اور ان آثار غضب کے ساتھ ایک سکوت تھا۔ جو کسی صدمہ اور غم کی خبر دے رہا تھا اِس سکوت نے وزرار اور تمام سرداران فوج کو بھی سناٹے مین کر دیا سلطان کی چتونون نے کل اہل دربار پر ایسا رُعب طاری کر دیا کہ سب خاموش تھے اور مجال نہ تھی کہ کسی کی زبان سے کوئی لفظ بھی نکلے۔ احمد بن حسن میمندی جو وزارت اور مدار المہامی کے عہدے پر ممتاز تھا اور بخلاف اور سفرون کے اِس سفر مین سلطان کے ہمرکاب تھا۔ اِس نے اپنی نکتہ رس عقل اور اپنے تیز ذہن سے کام لیا اور دل ہی دل مین خیال کرنے لگا کہ سلطان کا مزاج یک بہ یک کیون برہم ہو گیا اُس نے اپنے دل مین غور کیا کہ اِس قصیدہ مین کیا بات تھی جس نے سلطان کے مزاج پر ایسا اثر ڈالا۔

وزیر احمد بن حسن میمندی کو خدا نے علاوہ فہم وذکا کے حافظہ بھی نہایت تیز دیا تھا۔ جو اشعار منوچہر بلخی نے پڑھے تھے اُسکو یاد ہو گئے تھے۔ اشعار کو اُس نے دل

ہی دل مین پڑھا اور غور کرنے لگا کہ وہ کون لفظ تھا جو خلاف مزاج سلطان ہوا اور احمد بن حسن نے چار شعر پڑھ کر جب پانچوان شعر پڑھا فوراً سمجھ گیا کہ سلطان کا سکوت اور ملال کس وجہ سے ہے پانچوان شعر تھا ؎

شاہی کہ عرض لشکر منصور گردہد
از قیروان سپہ بہ کشد تا بقیروان

احمد بن حسن دل مین کہنے لگا کہ بیشک اِس منصور کے لفظ نے یہ آفت ڈھادی منصور سے سلطان کو بڑی محبت تھی اُس کی خاندانی وقعت اور اُسکے ذاتی جوہرون کو سلطان نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا تھا اب کس پہلو سے گفتگو شروع کرون کہ سلطان کا غم غلط ہو۔ احمد بن حسن اسی پس وپیش مین تھا کہ سلطان نے اہل دربار کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔ "کیا اب منصور کی طرف سے ناامید ہوجانا چاہیئے"۔ جس وقت سلطان نے یہ حسرت بھرا جملہ کہا۔ عبداللہ طائی نے سبقت کی اور کھڑے ہوکر پہلے دعائے دولت دی پھر عرض کیا۔ "حضور آپ متردد نہون"۔ منصور کی جستجو مین ہم وفاداران تخت اور جان نثاران سلطنت اپنے اوپر خواب وخور حرام کر دینگے اور جس طرح بن پڑیگا بہادر نوجوان منصور کو ڈھونڈھ نکالینگے۔ کسی ہندو راجہ کی اتنی مجال نہین کہ منصور کے ساتھ بُرا سلوک کرے اور اگر خدانخواستہ منصور کی طرف سے ہم حلقہ بگوشان دولت کو کوئی صدمہ پہونچا تو ہمارے سوار پوری سرزمین ہند کو ہلا دینگے اور ہمارے گھوڑے ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی سلطنت کو روند ڈالینگے"۔ یہ سُن کر سلطان اپنے جری وبہادر سردارون سے یون کہنے لگا کہ "بیشک تم لوگون کی جرات اور تمہارے حوصلون سے مجھے امید ہے مگر مین سچ کہتا ہون کہ اس وقت تک جب سے مین نے ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیئے تلوار ہاتھ مین لی ہے اور رکاب مین پانوٗن رکھا ہے صرف جہاد کی خالص نیت سے اور خدا کے مبارک دین اسلام کی خدمت کے لیئے اور اسی وجہ سے خدا نے میری مدد کی اور کفار کو ذلیل وخوار کیا۔ مین یہ نہین پسند کرتا کہ اپنی اُس خالص نیت کو اب خراب کردون اور آیندہ فوج کشی سے خدمت دین اسلام کے علاوہ منصور کا بدلہ لینا بھی میری غرض ہو"۔

اس پر اہل دربار نے بادشاہ کی نیک نیتی کی داد دی اور سلطانی خیمے میں یکایک خدا ترسی کا ایک جوش پیدا ہو گیا۔

(از منصور موہنا)

جناب مخلص و پیام و آرزو و ثابت کا مزار فیض آثار مولانا ناصر علیؒ پر جانا

راجہ اندر رام مخلص لکھتے ہیں کہ ۱۱۵۲ھ میں ہم یارانِ دیرینہ مانند پیام و آرزو یار ثابت اور دیوانہ وغیرہ۔ مزار پُر انوار حضرت قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے واپس چلے آرہے تھے۔ برسات کا مہینہ تھا چاروں طرف سڑک کے سبزہ خودرو عجب بہار دے رہا تھا پھوئیوں پھوئیوں مینھ پڑ رہا تھا یارانِ صادق اور دوستانِ موافق خوش طبعیاں کرتے فی البدیہ اشعار کہتے قدرتی بہار کی سیر کرتے رتھ میں بیٹھے چلے آرہے تھے کہ بہار کے قافیہ پر آرزو بولے ؎

چو کانِ لعل بجوش است خونِ من وایم
پئے جنون نبود حاجتِ بہار مرا

پیام شیرین کلام نے فرمایا ؎

ترا بخونِ گل و لالہ باغبان سوگند
ز آشیان مکن آوارہ در بہار مرا

بہت دیر تک سب اس شعر کی داد دیتے رہے جب میرا نمبر آیا تو مین نے کہا ؎

بہرزہ نیست دلم را شکایت از صیاد
قفس گرفتہ بہ گل آخر بہار مرا

جب ہم مولانا ناصر علی مغفور کے مزار پر پہونچے تو سب نے فاتحہ پڑھ کر پھر شعر خوانی شروع کی۔ سراج الدین علی خان آرزو مزار کی طرف مُنہ کر کے بولے کہ یہ بزرگ اپنے زمانہ کے

ہنگامہ آرائے شور محشر تھے اگر اہل دل تھے تو اب بھی کچھ اپنی کرامت دکھائین اور ضیافت طبع فرمائین۔ کیونکہ ع

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ابھی یہ فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ مولانا کے مزار پر مولسری کے درخت پر ایک کوئل اس خوش آوازی اور دردناکی سے کوکی کہ ہم لوگون کے دلون پر اثر ہوا اور سب حاضرین کی آنکھون سے آنسو نکل پڑے اور دو چار کو وجد آ گیا۔ اور آرزو تو بیہوش ہو کر گر پڑے مین نے مولانا کا یہ مطلع بے اختیار پکار کر پڑھا ؎

خاک گردیدیم و میر قصد ہنوز افغان ما

خم شکست اما ہمی ریزد مئے جوشان ما

اس شعر نے اور بھی آگ لگا دی۔ اور قیامت صغریٰ قائم کر دی ایک دوسرے کو لپٹ لپٹ کر روتے تھے اور مزار کے گرد پھرتے تھے بڑی دیر تک مولانا ناصر علی مغفور کے اس فیضان نے ہم سب کو مست و بیخود بنائے رکھا۔ حافظ نے کیا خوب کہا ہی ؎

بر سر تربت ما چون گذری ہمت خواہ

کہ زیارت گہ رندان جہان خواہد بود

(اردوئے معلیٰ)

مُلّا طاہر غنیؔ

مُلّا طاہر غنی کشمیری نے کبھی وطن سے باہر قدم نہین نکالا۔ باوجودیکہ شہنشاہ ہندوستان نے سیف خان حاکم کشمیر کی معرفت بلوا بھیجا تھا مگر اُنہون نے انکار کیا اور کہا کہ لکھ دو کہ غنی دیوانہ ہو گیا۔ سیف خان نے جواب دیا کہ "مین تجھ ایسے عاقل کو دیوانہ کیونکر بنا سکتا ہون"۔ یہ سُن کر آپ نے اُسی وقت کپڑے پھاڑ ڈالے اور دیوانون کی صورت بنائی اور کہا کہ اب تو لکھ دو۔ افلاس جو شعرا کا ہمدم و ہمنفس ہے انکا بھی یار غار رہا۔ تاہم قناعت کو ہاتھ سے نہ دیتے۔ دولت کے لئے امیرون کے پاس

تنگ جانا ہتنک سمجھتے۔ چنانچہ خود ایک ایسے ہی موقع پر فرماتے ہین ؎

فکر روزی برنمی دارد مرا از جائے خویش
آبرو چون شمع میریزم بپائے خویش

ناصر علی سرہندی نے ایکدفعہ ملا طاہر غنی سے اپنے کلام کے بارے مین رائے طلب کی تھی اُس کے جواب مین آپ نے یہ رباعی لکھ بھیجی ؎

رباعی

گر رتبۂ شعر خود بپرسی از من | گویم سخنے بتو مرنج اے کودن
بر ہر ورقے کہ کردۂ مشق سخن | چون لوح زبان شستی از آب دہن

مُلّا فیضی

مُلّا فیضی ۲۰ برس کی عمر مین فارغ التحصیل ہو چکے تھے جب اکبرشاہ نے انکے علم و فضل کا شہرہ سُنا۔ انکی طلبی کا حکم دیا۔ یہ حاضر دربار ہوے مگر حاسدون نے انہین ایک ایسے مقام پر ٹھہرایا کہ بادشاہ سے بہت دور پڑتا تھا یعنی جہان بادشاہ جلوہ فرما تھا اُسکے گرد جالی کا کٹہرا تھا۔ بادشاہ اور فیضی کے درمیان کٹہرا حائل تھا۔ یہ جگہ اُنکے لئے اس غرض سے تجویز کی تھی کہ اتنی دور سے بادشاہ کو اُسکے کلام کا کیا لطف آئیگا فیضی نے بآواز بلند یہ قطعہ پڑھا۔

قطعہ

بادشاہا برون پنجرہ | از سر لطف خود مرا جادہ
زانکہ من طوطی شکر خایم | جائے طوطی درون پنجرہ بہ

اس قطعہ کو سُنتے ہی بادشاہ نہایت خوش ہوا اور اندر آنے کی اجازت دی۔ جو قصیدہ اُس وقت پڑھا تھا اُسکا مطلع یہ ہے ؎

سحر نوید رسان قاصد سُلیمانی
رسید ہمچو سعادت کشادہ پیشانی

ملا فیضی سنہ ۱۰۰۴ھ مین سخت بیمار پڑے شہنشاہ اکبر خود اُنکی عیادت کو تشریف لائے اور مزاج پرسی کی۔ مگر اُن کی حالت ردی ہو چکی تھی۔ مرض ضیق النفس تنگ کرنے لگا اُسی حالت مین یہ رباعی پڑھی۔

رباعی

دیدی کہ فلک بمن چہ نیرنگی کرد | مرغ دلم از قفس بد آہنگی کرد
آن سینہ کہ عالمے درمی گنجید | تا نیم نفس برآوردم تنگی کرد

حالتِ بیماری مین یہ شعر وردِ زبان رہا کرتا تھا ؎

گر ہمہ عالم بہم آید بجنگ
بہ نشود پائے کیے مور لنگ

اسی بیماری مین بتاریخ ۱۰ صفر سنہ ۱۰۰۴ھ شیخ نے دنیا سے سفر کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ایک مرتبہ شاہ عباس والیِ ایران کی طرف سے یہ رباعی لکھکر اکبر شاہ کے پاس بھیجی گئی ؎

رباعی

زنگی بہ سپاہ خیل و لشکر نازد | رومی بہ سنان و تیغ و خنجر نازد
اکبر بہ خزینۂ پر از زر نازد | عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد

جسکا جواب فیضی نے کہکر فوراً بھجوایا فیضی کہتا ہے۔

رباعی

فردوس بہ سلسبیل و کوثر نازد | دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد
عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد | کونین بذاتِ پاک اکبر نازد

اکبر بادشاہ نے نہایت متانت شاہانہ کے ساتھ فیضی کی قادرالکلامی کی داد دی اور خلعتِ فاخرہ سے سرفراز فرمایا۔

نورجہان بیگم

نورجہان بیگم و جہانگیر شاہ ایک روز شام کے وقت محل کے کوٹھے پر بیٹھے ہوے راز و نیاز کی باتین کر رہے تھے انتیسوین رمضان المبارک کی تھی - بادشاہ کو جس وقت مہ نو آسمان پر نظر آیا زبان سے بیساختہ یہ مصرعہ نکل گیا ع

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد

نورجہان نے فی البدیہ اس مصرعہ پر یون مصرعہ لگایا ؎

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد
کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

بادشاہ سُن کر پھڑک گیا -

نورجہان صرف اعلیٰ درجہ کی مدبر اور منتظمہ ہی نہ تھی بلکہ نہایت ہی خوش مذاق زندہ دل اور عالم اور فاضل تھی - شعر بھی کہتی تھی - ایک دفعہ آسمان پر دُم دار تارا لکلا جسے جہلا بادشاہ یا بادشاہت کے لیے منحوس سمجھتے ہین - جہانگیر محل مین کھڑے دیکھ رہے تھے کسی خواص کے مُنہ سے نکلا کہ دیکھو کیا لمبی شعاعین ہین - نورجہان نے اُسی وقت موزون کر کے یہ شعر پڑھا ؎

ستارہ نیست بدین طول سر بر آوردہ
فلک بہ شاطری شاہ پر بر آوردہ

ایک دن جہانگیر شاہ نے قبا پہنی - جس مین لعل کی گھنڈیان لگی ہوئی تھین نورجہان نے دیکھ کر فوراً یہ شعر پڑھا ؎

ترا نہ تکمہ لعل ست بر لباس حریر | شدہ ست قطرۂ خون منت گریبان گیر

جہانگیر بادشاہ شاعر بھی تھا اور شاعرون کا قدردان بھی چنانچہ مشاعرے مین ایک دفعہ دربار کے امیر الامرا نے یہ شعر پڑھا ؎

بگذر مسیح از سر ما کشتگان عشق | یک زندہ کردن تو بصد خون برابر ست

مُلّا علی قاری

مُلّا علی قاری ٹھر کن نے کہ شاعر با کمال تھا یہ شعر کہا ؎

اے محتسب ز گریۂ پیر مغان بترس
یک خُم شکستن تو بصد خون برابر است

جہانگیر کی طبیعت بے اختیار ہو گئی اور فوراً یہ شعر پڑھا ؎

از من متاب رُخ کہ نیم بے تو یک نفس
یک دل شکستن تو بصد خون برابر است

حضرت برہمن

بادشاہ عالمگیر کے زمانہ مین ناصر علی سرہندی و برہمن یہ دو شاعر ایسے تھے کہ جنکی قادر الکلامی کے ڈنکے آج تک چار دانگ عالم مین بج رہے ہین - ایک دن یہ دونون شاعر دربار مین حاضر تھے - بادشاہ نے برہمن سے کہا کہ کچھ اپنا کلام سناؤ - اُسنے یہ شعر پڑھا ؎

مرا دلیست بہ کفر آشنا کہ چندین بار
بہ کعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

بھلا عالمگیر کے کان کب ایسے مضامین سُن سکتے تھے فوراً اُسکے تیورون پر بل پڑ گئے اور قریب تھا کہ اُسکی زبان سے برہمن کے لئے کوئی سخت حکم نکلے - مگر ناصر علی سرہندی فوراً بادشاہ کے ارادے کو سمجھ گیا اور قبل اسکے کہ کوئی کلمہ بادشاہ کی زبان سے نکلے عرض کی کہ جہان پناہ بہت دن پیشتر حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کہ گئے ہین ؎

خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود — چون بیاید ہنوز خر باشد

اگر یہ برہمن ہی واپس آیا تو کیا تعجب ہے - بادشاہ نے تبسم فرمایا اور یہ بات مذاق مین ٹل گئی - اور ناصر علی کی اس جودت طبع نے برہمن کی جان بچائی -

عہد عالمگیر شاہ مین جب بنارس کے بتخانون کو توڑکر مسجدین بنوائی گئین اُس وقت برہمن نے جو فارسی کا ایک زبردست شاعر تھا یہ شعر لکھکر بادشاہ کی خدمت مین بھیجا ؎

ببین کرامت بتخانہ مرا اے شیخ
کہ چون خراب شود خانہ خدا گردد

گو کسی شاعر نے اسکے جواب مین ایک شعر لکھا اُسے بھی ہم لکھے دیتے ہین مگر برہمن کا شعر بے نظیر ہے ؎

برہمنا بُت و بتخانہ ترا دیدم
کہ تا خراب نشد و بسوے کعبہ نہ کرد

حضرت نظام الدین اولیاء

غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت مین محبوب سبحانی حضرت نظام الدین اولیاء مقام نئی بستی جو دلی سے بفاصلہ ۳ میل واقع ہے رہا کرتے تھے - آپکی کرامت اور آپکی بزرگی اظہر من الشمس ہے - آپکے باورچی خانہ سے ہزارہا آدمی کھانا پاتے تھے - پچاسون من صرف گھی کا خرچ تھا - ایک دن غیاث الدین تغلق نے یہ حکم دیا کہ سب لوگ جامع مسجد مین جمعہ کی نماز پڑھنے آئین جس قدر لوگ تھے نماز کو آئے مگر آپ نہ تشریف لے گئے - یہ بات اُسکے خلاف مزاج ہوئی ایک شخ دریافت کرنے لگا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کو اس قدر روپیہ کہان سے ملتا ہے جو روزانہ صرف کیا جاتا ہے لوگون نے کہا حضور ہی کی رعایت سے ملتا ہے اکثر لوگ معتقد ہین - وہی خدمت کیا کرتے ہین اس نے اُسی وقت حکم دیا کہ آج سے کوئی شخص اگر انکے خرچ کی کفالت کرے گا تو وہ عتاب شاہی مین پڑیگا - یہ خبر جب حضرت نظام الدین اولیاء کو معلوم ہوئی خادم کو اپنے یہ حکم دیا کہ آج سے جس قدر خرچ ہوا کرتا تھا اُسکا دونا کر دے - اور ایک طاق جو خانقاہ مین ہے جو کچھ تجھے روپیہ یا اشرفی کی ضرورت ہو اُس مین سے لے لیا کر - بموجب ارشاد خادم تعمیل حکم کرنے لگا جس قدر اسے ضرورت ہوتی تھی اُس طاق سے

جیسے آپ نے فرمایا تھا ٹل جایا کرتا تھا۔

ایک دن پھر غیاث الدین تغلق نے پوچھا کہ اب حضرت نظام الدین اولیاء کا کیا حال ہے لوگوں نے کہا کہ اب تو پہلے سے بھی خرچ زیادہ ہو گیا ہے۔ یہ اُسوقت لاہور مین تھا اِس نے ایک حکم یہ بھیجدیا کہ میرے دہلی آنے تک حضرت نظام الدین اولیاء دہلی چھوڑ دین۔ جس وقت یہ حکم دہلی آیا لوگون کو سخت انتشار پیدا ہوا کیونکر آپ سے عرض کرین پاس لوگ رہنے جب اجازت نہ دی تو خادم سے آپ سے کہلا کر یہ حکم شاہی سُنا دیا۔ جسوقت خادم نے یہ سُنا۔ جاکر حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت بابرکت مین عرض کی کہ بادشاہ غیاث الدین تغلق نے ایسا حکم بھیجا ہے آپنے یہ اشعار فرمائے

اشعار

قصد ظالم بسوئے کشتن ماست ۔ دل مظلوم ما بسوئے خداست

او درین فکر کہ بما چہ کند ۔ من درین فکر کہ خدا چہ کند

غیاث الدین تغلق ہنوز لاہور ہی مین تھا کہ ایک دن مکان کی چھت یکایک اس پر گر پڑی اور یہ راہی ملک عدم ہوا پھر اسکو دلّی آنا نصیب نہ ہوا۔

خسر الدنیا والاخرہ

حضرت سرمد شاہ

بادشاہ اورنگ زیب کے عہد سلطنت مین سرمد شاہ بہت بڑے درویش باکمال گذرے ہین دلّی مین رہتے اور ننگے پھرا کرتے تھے۔ بادشاہ نے بارہا تاکید کی کہ آپ کپڑے پہنا کیجیے مگر یہ کب خاطر مین لاتے تھے۔ ایک دن عالمگیر نے کپڑے انکے لئے خود بنوا کے بھیجے۔ جب آدمی آپکی خدمت مین کپڑے لیکر حاضر ہوا۔ پوچھا کہ یہ کیا ہے اُس نے عرض کی کہ بادشاہ نے یہ کپڑے حضور کے پہننے کو بھیجے ہین آپ بیٹھے ہوے آگ تاپ رہے تھے اسی آگ مین کپڑون کو جھونک دیا اور یہ قطعہ لکھکر بادشاہ کی خدمت مین بھیجدیا۔

آن کس کہ ترا تاج جہانبانی داد | مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہرکرا عیبے دید | بے عیبان رالباس عریانی داد

بادشاہ اورنگ زیب نے ایک مرتبہ سرمد شاہ کو جو اُسکے حکم کی تعمیل نہین کرتے تھے یہ قطعہ لکھکر بھیجا ؎

اے عارف رند بود مابود ت کو | آتش زدہ بجز یستتن درودت کو
دل دادی وجان دادی وایمان دادی | اینک ہمہ سوداست بگو سودت کو

اسکا جواب شاہ صاحب نے یون دیا ذرا قطعہ ملاحظہ فرمائیے آپ فرماتے ہین۔

نابود شدم من تو بگو بودت چیست | اخگر شدہ ام من تو بگو دودت چیست
دل دادم وجان دادم وایمان دادم | اینک ہمہ سوداست بگو سودت چیست

بادشاہ عالمگیر نے جب بارہا فہمایش کی کہ سرمد شاہ کپڑے پہنا کرین ننگے نہ پھرا کرین اور یہ خاطر مین نہ لائے مجبور ہوکر عالمون سے فتوی پوچھا ان لوگون نے یک زبان ہوکر کہدیا کہ ایسا شخص شرعًا واجب القتل ہے۔ بادشاہ نے انکے قتل کا حکم دیا۔ علامہ تربلسی نے اپنے تذکرہ مین لکھا ہے کہ قتل کے وقت بھی سرمد شاہ نے یہ شعر پڑھا تھا ؎

سر جدا کرد از تنم شوخی کہ با ما یار بود | قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود

مُلّا حیدری ایرانی

مُلّا حیدری ایرانی جو نہایت زبردست شاعر ایران کا گذر گیا ہے۔ جب یہ ہندوستان مین آیا تو نورجہان بیگم کی قدردانی اور سخن فہمی کی بہت تعریف سُنی۔ ایک دن یہ نورجہان کے باغ مین سیر کر رہا تھا دیکھا کہ ایک حور لقا نازنین رخ انور پر نقاب ڈالے آگے آگے ہے اور کنیزین اُسکو حلقہ مین لئے ہین۔

جیسے گل بلبلون مین فرخ مین شاہ | شمع پروانون مین ستارون مین ماہ

مُلّا صاحب کی بے چین طبیعت نہ رک سکی بیساختہ انکی زبان سے یہ شعر نکل گیا جسکو اُنھون

نے بآواز بلند پڑھا ؎

برقع برخ افگندہ برد ناز بباغش
تا نکہتِ گل بیختہ آید بدماغش

نقاب پوش نورجہان فوراً پلٹ پڑی اور اُسی وقت انکو بلوایا۔ پانچہزار روپیہ اس شعر کے صلے مین دیئے۔ اور انکا نام شاہی شعرا مین لکھنے کا حکم دے کر معقول وظیفہ مقرر کر دیا

مرزا محمد رضا اصفہانی

مرزا محمد رضا اصفہانی تلمیذ مرزا طاہر وحید اصفہانی ہندوستان کی سرسبزی اور اہل کمالات کے آماجگاہ ہونے کا شہرہ سُن کر عہد بہادر شاہی مین دلی آئے رفتہ رفتہ خطاب قزلباش خان کے ساتھ منصب ہزاری پر فائز ہوئے نہایت تیز طبع اور خوش اخلاق شخص تھے۔

میر غلام علی آزاد لکھتے ہین کہ ایک مرتبہ آصف جاہ مرحوم کے ہمراہ بھوپال کا سفر ہوا امید صاحب بھی ہمرکاب نواب تھے۔ ذوالفقار خان نے تذکرۃً یہ جملہ کہا کہ دنیا امید کے ساتھ بسر کرتے ہین۔ بس آپ فوراً بول اُٹھے کہ آپ بغیر اُمید کے بسر کرتے ہین" اس برجستگی پر لوگون نے قہقہہ لگایا۔ فارسی مین آٹھ ہزار بیت انکی تصنیف سے موجود ہین منصب ہزاری سے آزاد مزاجی کی وجہ سے ہمیشہ بیزار رہے۔ چنانچہ ایک موقع پر جب انکے احباب نے ان سے دل گرفتگی کا سبب پوچھا تو آپنے فی البدیہہ یہ شعر نظم کرکے پڑھ دیا ؎

مثل بلبل ہمیشہ نالانم
این بود منصب ہزاری ما

نہایت سلیس اُردو مین اسکا ترجمہ ہوا ہے ؎

مثل بلبل ہمیشہ نالان ہون
یہ مرا منصب ہزاری ہے

محمد شاہ و آصفجاہ

نادر شاہ نے جب ایران سے ہندوستان پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور فوج لیکر چل کھڑا ہوا محمد شاہ اُس وقت اپنے عیش و عشرت مین اس قدر محو تھا کہ ہر چند پرچہ نویسون نے پے در پے اطلاعین دین مگر اُسکے کان پر جون تک نہ رینگی جب یہ بہت قریب آگیا اُس وقت آصفجاہ والی ملکِ دکن جو نہایت مدبر دور اندیش تھے نادر شاہ کی خدمت مین حاضر ہوے اور اپنے حسن لیاقت سے کہ سُن کر تین کرور دینے پر معاملہ طے کر دیا اور نادر شاہ کو رضامند کر لیا۔ جب آصفجاہ اس رنگیلے بادشاہ کے پاس آئے اور ان سے معاملہ کی بابت گفتگو کی اجازت چاہی۔ یہ اس قدر مست بادۂ عشرت تھا کہ اس کو بھی سُننا اِس نے پسند نہ کیا بلکہ نشۂ شراب مین آصفجاہ کو کہنے لگا "بوزینہ آمد" اِس کلمہ سے آصفجاہ کو بہت ندامت ہوئی اور نادر شاہ کے پاس آئے اور کہا کہ بہتر ہو گا کہ آپ دلی تک تشریف لے چلین جسوقت نادر شاہ دلی پہونچا۔ اُس نے قتل عام کا حکم دے دیا ہزارہا بندگان خدا ذرا سی غفلت مین ہلاک کر دئیے گئے۔ اُس وقت پھر آصفجاہ محمد شاہ کے پاس آئے اور کہا کہ اب تو آپ کچھ ہوش مین آئیے دیکھئیے کہ آپکے باپ دادا کی لاکھون رعایا کا خون ہو گیا اور ہوتا جاتا ہے۔ اُس وقت محمد شاہ نے شرمندگی کے لہجے مین یہ شعر پڑھا۔

شعر

دیدۂ عبرت کشا قدرتِ حق را ببین — شامتِ اعمال ما صورتِ نادر گرفت

یہ کہکر آصفجاہ سے کہا کہ اب آپ ہی کوئی اسکا انتظام کرین۔ پھر یہ بیچارے نادر شاہ کے سامنے حاضر ہوے اور اس طرح عرض کیا ؎

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی — مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

نادر شاہ نے انکی طرف ایک بار دیکھا اور یہ جملہ فرمایا "بریش سفیدت بخشیدم"۔ یہ کہکر تلوار میان مین کر لی قتل سے لوگون نے دست کشی کی۔ پھر امن و امان ہوا۔

سوزنی شیرازی

سوزنی جو شیراز مین ایک مشہور حسین اور لائق عورت گذر گئی ہے جس نے اپنے حُسن دلفریب کی بدولت سراپردۂ شاہی مین وہ آبرو پائی تھی کہ بادشاہ کی نگاہون مین اُسی کا حُسن عالم افروز پھرا کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ اسکے ہان تشریف لائے اُشب کو آرام فرمایا۔ مگر جب اُنھون نے اور کچھ ارادہ کیا اُسنے اول انکار کیا مگر جب اُدھر سے اصرار بڑھا تو اس نے اپنی حالت ایک ہی شعر مین بتائی وہ یہ کہ ؎

ظاہر ہمہ سرسبز درونش ہمہ پر خون
از حالتِ من برگ حنا را کہ خبر کرد

بادشاہ کو معمولی شد بُد سے زیادہ استعداد نہ تھی اس پر بھی نہ سمجھے اور پھر وہی قصد کیا۔ مجبور ہوکر پھر اس نے یہ شعر پڑھا ؎

بقتل من اگر شاہا دلت خوشنود می گردد
بجان منت و لے تیغ تو خون آلود می گردد

اُسوقت بادشاہ سمجھے کہ یہ اس قابل نہیں ہے اور اپنے ارادے سے باز آئے۔

مُلّا ابو الحسن دو پیازہ

شہنشاہِ اقلیم لطافت و ظرافت والیِ ملک زندہ دلی و خوش طبعی خداوند مملکت بذلہ سنجی و حاضر جوابی یعنی ابو الحسن ملا دو پیازہ شہنشاہ اکبر کے عہد سلطنت مین ان کا بھی نام نورتن اکبری مین تھا۔ فقہ اور تفسیر اور حدیث مین نہایت عمدہ دستگاہ حاصل تھی۔ علمی چھیڑ چھاڑ ہمیشہ ابو الفضل و فیضی سے رہا کرتی تھی۔ ایکدن یہ حاضر دربار تھے بادشاہ نے فرمایا کہ مُلّا اس مصرعہ پر مصرعہ تو لگاؤ ؏

بیا اے محتسب سا غرکشی دینِ الٰہی شد

مُلّا صاحب نے فوراً دوسرا مصرعہ اس پر یون لگا دیا ؎

بیا اے محتسب ساغر بکش دین الٰہی شد
نکاحِ دخترِ رز جائز کنون از مہر شاہی شد

بادشاہ نے متانت شاہانہ کے ساتھ انکی قادر الکلامی کی داد دی اور حاضرین دربار ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ اسی طور سے آپ نے خواجہ حافظ کے اس مصرعہ پر بھی مصرعہ لگایا ہے ع

ادر کاساً و ناولہا الا یا ایہا الساقی

ملا صاحب فرماتے ہین ؎

بہ پہلویم رسید امروز دلدارم بناچاقی
ادر کاساً و ناولہا الا یا ایُّہا الساقی

مرزا رفیع سودا

جب مرزا رفیع لڑکے تھے اُس وقت میر جعفر زٹل کا بڑھاپا تھا۔ اگلے وقتون کے لوگ رنگین جریبین جن پر نقاشی کا کام ہوتا تھا اکثر ہاتھ مین رکھا کرتے تھے۔ ایک دن شام کے قریب میر صاحب موصوف جریب ٹیکتے ہوے ٹہلنے کو باہر نکلے سودا بھی بغل مین کتابون کا جزدان لئے سامنے سے آتے تھے۔ اُنھون نے بڑے ادب کے ساتھ جُھک کر سلام کیا۔ میر صاحب نے خوش ہو کر دعا دی۔ چونکہ بچپن مین مرزا کی موزونی طبع کا چرچا تھا میر صاحب کچھ باتین کرنے لگے مرزا ساتھ ہو لیئے۔ انھون نے نوخیز طبیعت کے بڑھانے کے لیئے کہا کہ بھلا مرزا ایک مصرعہ پر مصرعہ تو لگاؤ ع

لالہ در باغ داغ چون دارد

مرزا نے سوچ کر کہا ع

عمر کوتاست غم فزون دارد

میر صاحب نے فرمایا کہ واہ مرزا دن بھر کے بھوکے تھے وہ کھا گئے۔ مرزا نے کہا "از غم عشق سینہ خون دارد" میر صاحب نے فرمایا واہ بھئی دل خون ہوتا ہے جگر خون

ہوتا ہے - سینہ کیا خون ہوگا سینہ پر زخون ہوتا ہے - پھر مرزا نے فکر کر کے کہا

چہ کند سوزش دروں دارد

میر صاحب نے کہا ہاں مصرعہ تو ٹھیک ہے - لیکن ذرا طبیعت پر زور دیکر کہو۔ مرزا دق ہو گئے جھٹ کہہ دیا

یک عصا بستر زیر ...... دارد

میر جعفر مرحوم ہلتس پڑے اور جریب اُٹھا کر کہا کیوں ؟ یہ ہم سے بھی، دیکھ کہوں گا تیرے باپ سے - بازی بازی بریش بابا ہم بازی - مرزا لڑکے تو تھے ہی بھاگ گئے۔

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ

مرزا قتیلؔ نے ایک مرتبہ کسی مشاعرے میں یہ مطلع پڑھا ؎

کن بر سر تابوتم یک جلوہ برعنائی | اے از لب لعل تو اعجاز مسیحائی

ترکین خراسانی جو اُس صحبت میں شریک تھا کہا قتیل، "باز بخوان" اُنہوں نے پھر پڑھا - اُس نے یہ اعتراض کیا کہ "معشوق بر سر تابوت عاشق جلوہ برعنائی کند پس از لب لعل معشوق اعجاز مسیحائی چہ گونہ بظہور آمد"۔ بدین طور مناسب است۔

قم بر سر تابوتم این وقت بفرمائی | اے از لب لعل تو اعجازِ مسیحائی

اسد اللہ خان غالبؔ نے جب سُنا کہنے لگے کہ ہنوز از لفظ "این وقت" بوسے ہند سے مے آید۔ اور خود اس مطلع کو یوں درست کیا ؎

قم بر سر تابوتم وقت است کہ فرمائی

اے از لب لعل تو اعجاز مسیحائی

ایک مرتبہ مرزا اسد اللہ خان غالبؔ دِلّی کے ایک مشاعرے میں اپنی فارسی کی غزل پڑھ رہے تھے مفتی صدر الدین خان صاحب و مولوی امام بخش صہبائی جلسہ میں موجود تھے - مرزا صاحب نے جس وقت یہ مصرعہ پڑھا

بوادی کہ در آن خضر را عصا خفت است

مولوی صہبائی کی تحریک سے مفتی صاحب نے فرمایا " عصا خفت است" یہ
کلام ہے۔ مرزا نے کہا حضرت! میں ہندی نژاد ہوں میرا عصا پکڑ لیا اس شیرازی کا
عصا نہ پکڑا گیا ع

وے بجمانہ اول عصائے شیخ بخفت

اُنہوں نے کہا اصل محاورے میں کلام نہیں۔ کلام اسمیں ہے کہ مناسب مقام ہے یا نہیں۔

سید انشا

فائق تخلص ایک فلک زدہ شاعر تھا خدا جانے کس بات پر خفا ہوا کہ سید
انشا کی ہجو کہی اور خود لاکر سنائی اُنہوں نے بہت تعریف کی اُچھلے بہت کودے اور
پانچ روپیہ بھی دیئے جب وہ چلا تو بولے ذرا ٹھہریئے گا ابھی آپکا حق باقی ہے قلم
اُٹھا کر یہ قطعہ لکھا اور حوالے کیا۔

فائق بے حیا چو ہجوم گفت — دل من سوخت سوختہ بہ
صلہ اش پنج روپیہ دادم — دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

مولوی غلام ضامن

مولوی غلام ضامن صاحب رتھلی کے فاضل تھے۔ مرزا قاخرمکین کے
پاس ایک دن غزل لیکر گئے کہ مجھے شاگرد کیجئے اور اصلاح فرمایئے۔ مرزا
صاحب نے ٹال دیا۔ مولوی صاحب نے پھر کہا۔ اُنہوں نے پھر انکار کیا اور
کج خلقی کرنے لگے جو عجز و انکسار کے حق تھے سب مولوی صاحب نے ادا
کیئے ایک نہ قبول نہ ہوا۔ ناچار یہ شعر پڑھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے

مرزا مکین ما نشود چون بکین ما
کین است جز و اعظم مرزا مکین ما

سراج الدین قمری و سلمان ساوجی

حاکم ماوراالنہر کے دربار مین ایکدن سراج الدین قمری و سلمان ساوجی یہ دونون شاعر نازک خیال حاضر تھے۔ حاکم نے یہ بینظیر مصرعہ زبان مبارک سے فرماکر حکم دیا کہ اس مصرعہ پر تین تین مصرعے لگاکر رباعی کہیے۔ مصرعہ یہ تھا

اے باد صبا این ہمہ آوردہ تست

بہ تعمیل ارشاد پہلے سلمان ساوجی نے اس طور سے اُسیوقت موزون کرکے یہ رباعی پڑھی

اے ابر روان سرو برآوردۂ تست ۔۔۔ وے خار درون غنچہ خون کردۂ تست

گل سرخوش و لالہ مست نرگس مخمور ۔۔۔ اے باد صبا این ہمہ آوردہ تست

حاکم نے اپنی شاہانہ متانت کے ساتھ سلمان ساوجی کی قادرالکلامی و نازک خیالی کی داد دی جسکے ساتھ تمام اہل دربار خصوصاً شعرا نے نعرۂ تحسین و آفرین بلند کیا سلمان ساوجی آداب بجالاکر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حاکم سراج الدین قمری کی طرف مخاطب ہوا۔ سراج الدین قمری فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور اس طرح پڑھا ؎

اے ابر بہار خار پروردۂ تست ۔۔۔ اے سرو چمان چمن برآوردۂ تست

اے غنچہ عروس باغ پروردۂ تست ۔۔۔ اے باد صبا این ہمہ آوردۂ تست

اِس رباعی پر تمام اہل دربار سے آفرین و سبحان اللہ کی آوازین بلند ہوئین دونون شاعرون کو بادشاہ نے خلعت فاخرہ سے سرفراز فرمایا اور نہایت قدر و منزلت کے ساتھ انکو زر و جواہر سے مالامال کردیا۔

حکیم بوعلی سینا

تاریخ نگارستان مین روایت کی گئی ہے کہ شیخ الرئیس حکیم ابو علی سینا بڑے بڑے اہل علم لوگون کے نزدیک مسلم الثبوت اُستاد تھا اور کوئی اُسکے روبرو تقریر نہین کرسکتا تھا۔ لیکن ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بہت ہی ذلیل خاکروب

سے وہ تقریر میں اس قدر عاجز آ گیا کہ اسکو کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔ چونکہ ہمراہ بہت سے لوگ تھے وہ بہت شرمندہ و خفیف ہوا۔

یہ واقعہ اس طور پر ہے کہ ایک روز شیخ جبکہ وزیر تھا معہ جلوس ایک راستے سے گذر رہا تھا کہ اس نے ایک خاکروب کو دیکھا جو کہ اپنے شغل میں مصروف تھا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا ؎

گرامی داشتم اے نفس از آنت ۔۔۔ کہ آسان بگذرد بر دل جہانت

اے نفس میں نے تجھے اس سے کہیں بالاتر رکھا کہ تو دنیا میں عیش کی زندگی بسر کرے یعنی لذات دنیا کی طرف مائل ہو اور خواہشات نفسانی میں پڑنا تیری شان سے گری ہوئی بات ہے۔ آپ اس شعر کو سنکر ہنسے اور بطور طعن اُس سے کہا کہ ہاں نفس کی ایسی ہی عزت کرنا چاہیئے جیسی کہ تو اُس سے مرعی رکھتا ہے اُس کی تو نے خوب تعظیم کی کہ اُسکو ایسے ذلیل کام میں ڈالا ہے اور تو اپنی عمر عزیز کو ایسے خسیس کام میں صرف کرتا ہے اور اس ذلیل کام کو باعث فخر جانتا ہے۔ خاکروب نے تھوڑی دیر کے لیئے اپنا کام چھوڑ دیا اور یہ جواب دیا کہ جرات وہمت کی رو سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ذلیل پیشہ سے روٹی پیدا کر کے کھانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ کسی کی خدمت بجالانا اور اُسکا بار احسان اُٹھانا۔ یہ سُن کر شیخ الرئیس شرمندہ ہوا اور وہاں سے جلد جلد چلنے لگا۔

مولانا محمد یوسف صاحب

کلب علیخان صاحب آگرہ کے رہنے والے ضلع شاہجہانپور میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور مولوی محمد یوسف صاحب یوسف رئیس تعلقہ دار ضلع بریلی جنکے اکثر علاقجات شاہجہانپور میں بھی تھے۔ ڈپٹی صاحب کے بہت گہرے یار تھے شعر و شاعری میں بھی دونوں صاحب ہمعصر تھے انکی صحبت سے ڈپٹی صاحب کو حظ آیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جناب یوسف صاحب شاہجہانپور کسی اپنے خاص مقدمہ کی پیروی کے لیئے تشریف لائے اور اتفاق سے یہ مقدمہ ڈپٹی صاحب ہی کے اجلاس

مین دائر تھا۔ ڈپٹی صاحب نے مقدمہ مین بہت دیر کی چونکہ انکو میان یوسف صاحب سے ایک خاص طور کا اُنس تھا اس لئے اور بھی دیر کی کہ اگر مین جلد فیصلہ کر دونگا تو یہ مکان چلے جائینگے۔ اور ادھر انکے کامون کا ہرج ہونے لگا۔ اُنھون نے کئی مرتبہ ڈپٹی صاحب سے کہا کہ للہ آپ مقدمہ جلد طے کیجئے میرا بہت نقصان ہو رہا ہے ڈپٹی صاحب یہ سنکر خاموش ہو رہے اور پھر نہ فیصلہ کیا۔ ایک دن یہ دونون صاحب بیٹھے ہوئے تھے اثنائے گفتگو مین ڈپٹی صاحب نے فرمایا کہ بھائی یوسف اس وقت کچھ سناؤ۔ اُنھون نے کہا سناؤن کیا خاک ویسے ہی پریشان ہو رہا ہون۔ جب زیادہ اصرار ہوا تو میان یوسف صاحب نے یہ بے بدل قطعہ جو اُسیوقت موزون کیا تھا سُنایا۔ قطعہ

یوسفِ مصری ازان روزے کہ مُرد ۔۔۔ حُسن صوری را باین یوسف سپرد

ہر دو یوسف را عجب کارے فتاد ۔۔۔ آن یکے را گرگ این را کلب برد

ڈپٹی صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ کیون حضرت مجھے آپنے کُتا بنایا۔ پھر اُسی روز جا کر مقدمہ کا فیصلہ لکھا۔

مولانا قطب الدین احمد صاحب

مولانا قطب الدین احمد صاحب مرحوم و مغفور جنکا اصلی وطن لکھنؤ تھا۔ بنارس مین وکالت کے سلسلے سے سکونت اختیار فرمائی تھی۔ آپ نہایت خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ عربی و فارسی مین استعداد کامل رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا بھی بے انتہا ذوق تھا۔ آپکے منجھلے صاحبزادے مولوی محمد سلیمان صاحب ناظر ججی مرزا پور بیان فرماتے ہین کہ ایک دن آپنے یہ بےنظیر شعر تحریر فرمایا ؎

وعدۂ فردا تو آ پہونچا مگر افسوس ہے

وصل جانان کی مرے گھر کچھ بھی تیاری نہین

جسوقت یہ شعر آپکے قلم سے نکلا آپ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی دو شبانہ روز روتے ہی گذرے۔ آخر تیسرے دن آپ بلا کسی سامان سفر کے عازم بیت اللہ ہوئے اور بہ یک بینی و دو گوش چل کھڑے ہوے۔ جب آپکے صاحبزادون کو خبر ہوئی تو بمبئی جا کر ان

لوگون نے کل سامان سفر ضروری مہیا کرکے آپ کو جہاز پر سوار کرا دیا - آپ یہی شعر پڑھتے ہوے خوشی خوشی جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوے - سچ ہے اہل دل کے لئے وہی اشعار جنکو آپ معمولی نگاہون سے دیکھتے ہین بعض وقت نشتر و تیر کا کام کر جاتے ہین -

مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی محب الٰہی بردالله مضجعه کا عجیب و غریب واقعہ جسکو مین اگلے صفحون مین نذر ناظرین کرتا ہون کچھ کم تعجب خیز نہین اسیکا تمام اثر ہے ؎

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

مولانا عبد القدوس صاحب

کون جانتا تھا کہ حضرت مولانا عبد القدوس گنگوہی رحمۃ الله علیہ کا شعر جسے مین نے زیب عنوان کیا ہے ایسی ادائے جانستان بن جائیگا - اور ایک ہنر پیشہ حقائق و معارف کے دل پر تیر و نشتر کا کام کر جائیگا - اطراف و اکناف عالم کا مشہور عالم باعمل واعظ شیرین کلام حاجی حرمین شریفین صوفی عالی مقام حضرت شاہ محمد حسین صاحب محب الٰہی الہ آبادی بردالله مضجعه کے وصال کا حیرت افزا واقعہ کچھ کم تعجب خیز نہین - اس لیئے کہ ایسے آشوب ناک زمانے مین جنید و بختیار کاکی رحمہما الله علیہما کا ہم رتبہ شخص پیدا ہونا قیاسًا ناممکن معلوم ہوتا ہے مگر نہین اہل کمال سے زمانہ کبھی خالی نہین رہتا - شاہد رعنائے ازل کے حسن مطلق کی شعاعین تاریک دلان کلبۂ ہستی کے لئے نہین بلکہ نہین عاشقان دل از کف دادہ کی نظر افروزیون کے خاطر ہین جنھین صاحبان تحقیق و اہل باطن نے شیدائے نور حقیقت کا معزز خطاب عطا فرمایا ہے ادھر شاہد حقیقی نے گوشۂ نقاب سرکا کے رخ پرنور کی جھلک دکھائی - اور ادھر فدائیان جلوۂ جمال نے نقد جان لو نمائی کی لیئے لا حاضر کیا - اس اجمال کی مختصر کیفیت یون ہے کہ جب حضور ۱۳۲۲ھ مین حج بیت عتیق و زیارت مزار نبوی سے مشرف ہو کر پھر روتق

بخش ہند ہوئے - تو رجب لمرجب کے مہینے مین حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مین اجمیر شریف تشریف لے گئے - ۶ رجب کے عرس سے فراغت پائی -

۸ - رجب ۱۳۲۲ھ کو دن کے وقت آپ محفل سماع مین مدعو تھے اُس دن حضور نے اپنے ارشد تلامذہ جناب مولانا عبید اللہ صاحب سے جنھین ہمیشہ سعادت حضوری کا شرف حاصل رہا کرتا تھا کئی بار فرمایا کہ مجھے وہان جانا ہے - مولانا ے موصوف نے آپ کی خدمت مین عرض کیا کہ حضور ذرا کپڑے تو تبدیل فرمالین - آپ نے لباس تبدیل فرمایا اور صاحب دعوت کے یہان تشریف لے گئے مگر اسکی خبر کسے تھی کہ وہ وقت اب عنقریب آیا چاہتا ہے کہ یہ نورانی لقا پیراہن عمر کو چاک کر کے لباس جسمانی سے سبکدوش ہوگا - راقم آثم نے مولانا عبید اللہ کی زبان مبارک سے سُنا کہ اُس دن حضور کے جسم اطہر پر وہ کپڑے اِس قدر زیب دیتے تھے کہ بیان سے باہر ہے - حضرت یہ موزونی اندام کی خوبی تھی کہ وہ لباس دنیا جو محض عارضی تھا حضور کے جسم اقدس پر اس قدر پھبے - غرض حضور کا جلسۂ سماع مین تشریف لانا گویا جسم بیجان مین جان آنی تھی - حضور پُرنور کے پہونچتے ہی قوالون نے اپنی خوش الحانی سے محفل سماع کو گرمایا - اُس وقت کی کیفیت کیا عرض کرون جب اس مقطع پر پہونچے ؎

گفت قدوسی فقیرے در فنا و در بقا
خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

حضور پر نور پر کیفیت وجد طاری ہوئی اور اس حالت بیخودی مین دو مرتبہ زبان مبارک سے لفظ "خود بخود" کا نکلا اور وصال ہوگیا - اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کچھ دیر تو لوگون کو غشی کا شبہ رہا جب آپ ہوش مین نہ آئے تو فوراً سیول سرجن و اطبا ے نامی طلب ہوے - سب نے نبضین دیکھین مگر وہان تھا ہی کیا ؎

جان گئی جان کے جویا کے پاس ۔ پہونچا مریض اپنے مسیحا کے پاس

زمانہ زیست مین صرف یہ دو مقامات پسند خاطر عاطر تھے ایک جوار رسول ہاشمی دوسرے حضرت خواجہ غریب نواز کا پائین -

آپ کے اوصاف و محامد کی تحریر کا کس کو یارا ہے۔ بہ خدا کلیجا تھام کر رہ جاتا ہون جسوقت حضور کے اخلاق یاد آجاتے ہین جب کبھی شرف حضوری حاصل ہوا بس اخلاق رسول مدنی کا نقشہ آنکھون تلے پھر گیا۔ بیشک ایسے ہی علما آئینہ جمال وکمال احمدی کہلانے کا حق رکھتے ہین۔ جو سامنے آیا اپنی حقیقت کا حقیقی ماہر ہو گیا۔ نہ نفس امارہ کی دھوکے بازیان رہ جاتی تھین۔ نہ خدع طبیعت کی رنگین کاریان۔ اپنا ہو بہو نقشہ اپنی نظرون کے سامنے موجود ہو جاتا تھا۔ جو آیا نظر شفقت اس ادا سے کی۔ کہ نہال ہو گیا۔ باتین اس انداز سے کین کہ جان تصدق کرنے کو جی چاہا۔ غرض اخلاق کی جو طرز ادا تھی وہ دلربا کہ انسان جب تک اس ملکی ملکات کے روبرو رہتا۔ اتنے انفاس کو حاصل زندگی سمجھتا بس اے خامۂ خستہ جگر اب دل بیتاب کو ضبط کا یارا نہین سر چیخ کر رونا ہماری شریعت کے خلاف ہے دل پر جبر کر اور منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے اس شعر پر صبر کر ؎

ہوئے نامور بے نشان کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

جناب بیخود موہانی

ایک دن جناب بیخود موہانی ایک ایم اے سے جو کسی عدالت مین ایک معزز عہدے پر ممتاز تھے۔ ملنے گئے۔ وہ اپنے نزدیک بڑی مہربانی سے پیش آئے مگر انکی ازلی اور رسید ماغی نے انہین چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ میزبان کی یہ فرعونیت بیدرد آفرین انداز جناب بیخود کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ یہ ہستی سوز طوفان کی طرح اُٹھے۔ اُنہون نے بیٹھنے پر اصرار کیا۔ اب آؤ تو جاؤ کہان۔ چلتے وقت آپ نے کہا کہ ایک شعر سُن لیجئے اور رخصت۔ ہمارے دوست نے یہ شعر اُسی وقت موزون کر کے پڑھا ؎

ہستم خجل از غیرت و از جوش عتابش
از تا زخودت پُرس چہ گویم بجوابش

فیض آباد مین ایک مولوی صاحب ایک کنجڑن پر ہزار جان سے عاشق تھے۔ کنجڑن کو بھی اُن سے اُنس دلی تھا۔ ایک بار آپس مین چل گئی۔ پیام سلام کا سلسلہ منقطع ہو گیا ایک روز مولوی صاحب کو غش آیا یا غش لائے۔ یہ اللہ جانے۔ بہر حال ایک کٹنی کنجڑن تک پہونچی اور کہا آخر تم نے مولوی صاحب کی جان لے لی۔ کنجڑن بولی ارے خدا کے لیئے کچھ مونہہ سے پھوٹو تو کیا ہوا۔ دلالہ نے کہا کہ اب نہین غش شدید غش چلے آتے ہین۔ اللہ ہی ہے جو اُن کی جان بچے۔ کنجڑن کا دل اس خبر کے سنتے ہی سن سے ہو گیا اور نڈھال ہونے لگی۔ آخر ضبط نے خیر باد کہی اور اسے غش آ گیا اُسکا فریب خوردہ شوہر اس پر مٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب بلا لیئے گئے۔ اُدھر ڈاکٹر نے اس قتالہ عالم کے نبض پر ہاتھ رکھا اُدھر ہمارے دوست جناب بیخود موہانی نے ناصر علی سرہندی کے رنگ صورت طرازی مین اس حالت کی تصویر کھینچ لی اور فی البدیہہ یہ شعر کہا

پسندم چہ دردی بود در فریاد بلبل را
کہ بیتابانہ میگرد صبا نبض رگِ گل را

سبحان اللہ کیا برجستہ شعر کہا۔

شاہ ولی اللہ صاحب

ناصر علی سرہندی کے ہمعصر شاہ شمس ولی اللہ صاحب بھی تھے جنہوں نے اُردو شاعری کی بنا ڈالی ہے۔ ولی نے ایک مرتبہ اپنے جوش ریختہ گوئی مین ناصر علی کو لکھا

اُچھل کر جا پڑے جون مصرعہ برق
اگر مطلع لکھون ناصر علی کون

یہ سُن کر جواب مین ناصر علی لکھتے ہین ؎

باعجاز سخن گر اُڑ چلے وہ
ولی ہرگز نہ پہونچے گا علی کون

جناب میر تقی صاحب میرؔ

میر محمد تقی میرؔ جب دلی سے چلے تو سیدھے لکھنؤ آئے۔ جیسا کہ مسافرون کا دستور ہے ایک سرا مین اُترے معلوم ہوا کہ آج یہان ایک جگہ مشاعرہ ہے۔ رہ نہ سکے اُسی وقت غزل لکھی اور مشاعرے مین جاکر شامل ہوے۔ انکی وضع قدیمانہ کھڑکی دار پگڑی پچاس گز کے گھیر کا جامہ ایک پورا تھان پستولئے کا کمر سے بندھا، ایک رومال پٹری دار تہہ کیا ہوا اُس مین آویزان۔ مشروع کا پاجامہ جس کے عرض کے پائنچے ناگ پھنی کی انی دار جوتی جسکی ڈیڑھ بالشت اونچی ناک۔ کمر مین ایک طرف سیف یعنی سیدھی تلوار۔ دوسری طرف کٹار۔ ہاتھ مین جریب۔ غرض جب داخل ہوئے۔ یہان شہر لکھنؤ کے نئے انداز نئی تراش کے بانکے ٹیڑھے جوان جمع۔ انہین دیکھکر سب ہنسنے لگے۔ میر صاحب بیچارے غریب الوطن زمانے کے ہاتھ سے پہلے ہی دل شکستہ تھے اور بھی دل تنگ ہوے اور ایک طرف خاموش بیٹھ گئے شمع انکے سامنے آئی۔ پھر سب کی نظر پڑی۔ بعض اشخاص نے پوچھا حضور کا وطن کہان ہے میر صاحب نے یہ قطعہ فی البدیہ کہکر غزل طرحی مین داخل کیا ؎

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو	ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم مین انتخاب	رہتے تھے منتخب ہی جہان روزگار کے
اُسکو فلک نے لوٹکے ویران کر دیا	ہم رہنے والے ہین اُسی اُجڑے دیار کے

سب کو معلوم ہوا بہت معذرت کی اور میر صاحب سے عفو تقصیر چاہی صبح ہوتے ہوتے شہر مین شہرہ ہو گیا کہ میر صاحب تشریف لائے ہین رفتہ رفتہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے سُنا اور دو سو روپیہ مہینہ مقرر کر دیا۔

ایک مرتبہ جناب میر محمد تقی صاحب میرؔ کے ایک مُرغ کو اتفاق سے بلی چٹ کر گئی۔ آپکو مُرغ بازی سے نہایت شوق تھا فوراً ایک مثنوی اپنے مرغے کے مرثیہ مین لکھ ڈالی۔ فرماتے ہین میر مرغا پیارا پیارا تھا۔ بڑا اصیل تھا۔ بہت خوب تھا۔ اُس کے

بلی نے حملہ کیا۔ مرغ نے بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا اور اخیر کو مارا گیا۔ مگر ایک شعر اُسکے وقت اخیر کا نہین بھولتا۔ کس مزے کا لکھا ہے ؎

جُھکا بسوے قدم سر خروس بیجان کا
زمین پہ تاج گرا ہُدہُدِ سُلیمان کا

میر محمد تقی صاحب میرؔ کی قناعت و غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی اسکا نتیجہ یہ تھا کہ اطاعت تو درکنار نوکری کے نام کی بھی برداشت نہ رکھتے تھے لیکن زمانہ جسکی حکومت سے کوئی سر نہین پھیر سکتا اُسکا قانون اسکے برخلاف ہے۔ نتیجہ یہ کہ فاقہ کرتے تھے دکھ بھرتے تھے اور اپنی بددماغی کے سایہ مین دنیا اور اہل دنیا سے بیزار گھر مین بیٹھے رہتے تھے۔ اِن شکایتون کے لوگون مین چرچے تھے جس سے وہ خُود بھی واقف تھے۔ چنانچہ ایک مخمس شہر آشوب کے مقطع مین فرماتے ہین ؎

حالت تو یہ ہے مجھکو غمون سے نہین فراغ	دل سوزش درون سے جلتا ہے جون چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ	ہے نام مجلسون مین مرا میرؔ بیدماغ

از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

اک ابر اُٹھا تھا کعبے سے اور جھوم پڑا میخانے پر
بادہ کشون کا جُھرمٹ ہیگا شیشہ اور پیمانے پر

کسی شخص نے میرؔ کا یہ مطلع سُن کر آپ سے کہا کہ حضرت اصل محاورہ فارسی کا ہے۔ اہل زبان نے ابر قبلہ کہا ہے ابر کعبہ نہین کہا ہے۔ میر صاحب نے کہا ہان قبلہ کا لفظ بھی آ سکتا ہے مگر کعبہ سے ذرا مصرع کی ترکیب گرم ہو جاتی ہے جنہین زبان کا مزا ہے وہ اس لطف کو سمجھتے ہین۔ جب میرؔ نے یہ شعر پڑھا ؎

ہر گام سنگ رہ تھی بتخانہ کی محبت
کعبہ تلک تو پہونچا لیکن خدا خدا کر

کسی بادہ گو نے اعتراض کیا کہ سنگ راہ کی جگہ سدِّ راہ مناسب تر ہے کہ اسمین دشواری زیادہ ہے۔ میر صاحب نے سُن کر جواب دیا اور جواب دینا بجا تھا کیونکہ گام کے لئے

سنگ راہ ہی مناسب ہے جسمیں ہر قدم پر تکلیف ہے اور سد راہ ہوتی تو کعبہ تک کیونکر پہونچتے۔
دلی میں ایکمرتبہ میر محمد تقی صاحب میر نے ایک مشاعرے میں وہ مثنوی پڑھی جس میں اپنے تئیں اژدہا قرار دیا تھا اور شعراے عصر میں کسی کو چوہا کسی کو سانپ کسی کو بچھو کسی کو کھنکجورہ وغیرہ وغیرہ ٹھہرایا تھا۔ اسکے ساتھ ایک حکایت لکھی تھی کہ دکن کوہ میں ایک خونخوار اژدہا رہتا تھا جنگل کے حشرات الارض جمع ہوکر اس سے لڑنے گئے جب سامنا ہوا تو اژدہے نے ایک ایسا دم بھرا کہ سب فنا ہوگئے۔ اس قصیدہ کا نام اژدرنامہ قرار دیا۔ محمد امان نثار شاہ حاتم کے شاگردوں میں ایک مشاق موزون طبع تھے اُنھون نے وہین گوشے مین بیٹھکر قطعہ لکھا اور اُسیوقت میر مشاعرہ پڑھا۔ چونکہ میر صاحب کی یہ بات کسی کو پسند نہ آئی تھی اس لئے اس قطعہ پر خوب قہقہے اُڑے اور بڑی واہ واہ ہوئی۔ میر صاحب پر جو گذری تھی سو گذری۔ چنانچہ مقطع قطعہ مذکور کا یہ ہے۔

حیدر کرار نے وہ زور بخشا ہے نثار
ایک دم میں دو کرون اژدر کے کلّے چیر کر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ لکھنؤ کے چند عمائد اور اراکین جمع ہوکر آئے کہ میر محمد تقی صاحب میر سے ملاقات کریں اور اشعار سنیں دروازے پر آکر آواز دی لونڈی نکل آئی حال پوچھکر اندر گئی۔ ایک بوریا لاکر ڈیوڑھی میں بچھایا ایک پرانا ساحقہ لاکر سامنے رکھ گئی۔ میر صاحب اندر سے تشریف لائے مزاج پرسی وغیرہ کے بعد اُنھون نے فرمایش اشعار کی میر صاحب نے پہلے تو ٹالا۔ مگر ان لوگون کے اصرار پر صاف جواب دیا کہ قبلہ میرے اشعار آپکی سمجھ مین نہین آنے کے۔ اگرچہ ناگوار ہوا مگر بنظر آداب اخلاق اُنھون نے اپنی نارسائی طبع کا اقرار کیا اور پھر درخواست کی اُنھون نے پھر انکار کیا آخر اُن لوگون نے گراں خاطر ہوکر کہا کہ حضرت انوری و خاقانی کا کلام سمجھتے ہین آپ کا ارشاد کیون نہ سمجھینگے۔ میر صاحب نے کہا یہ درست ہے۔ مگر اُنکی شرحین مصطلحات اور فرہنگین موجود ہین اور میرے کلام کے لئے فقط محاورۂ اہل اُردو ہے یا جامع مسجد کی سیڑھیان اور اُس سے آپ محروم۔ یہ کہکر ایک شعر پڑھا ؎

عشق اپنے خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھیر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا

اور کہا کہ آپ بموجب اپنی کتابون کے کہین گے کہ خیال کی ی کو ظاہر کرو۔ پھر کہین گے کہ ی تقطیع مین گرتی ہے۔ مگر یہان اسکے سوا چارہ نہین کہ محاورہ یہی ہے۔

میر محمد تقی صاحب میر جس محلے مین رہتے تھے اُسی بازار مین ایک عطار کی دوکان تھی آپ بھی کبھی کبھی وہان دل بہلانے کے لئے جا بیٹھتے تھے اُسکا نوجوان لڑکا بہت بناؤ سنگار کرتا رہتا تھا۔ میر صاحب کو بُرا معلوم ہوتا تھا اس پر فرماتے ہین ؎

کیفیتین عطار کے لونڈے مین بہت ہین
اس نسخے کی کوئی نہ رہی ہم کو دوا یاد

کسی وقت طبیعت شگفتہ ہو گئی ہوگی جو فرماتے ہین

میر کیا سادے ہین بیمار ہوے جسکے سبب
اُسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہین

ایکدن میر محمد تقی صاحب میر کی ملاقات کو ایک صاحب گئے۔ نکلتے جاڑون کے دن تھے بہار کی آمد تھی دیکھا کہ ٹہل رہے ہین چہرہ پر افسردگی کا عالم ہے اور رہ کر یہ مصرعہ پڑھتے ہین ع

اب کے بھی دن بہار کے یونہین گذر گئے

یہ سلام کرکے بیٹھ گئے تھوڑی دیر بعد اُٹھے اور پھر سلام کرکے چلے آئے۔ میر صاحب کو خبر بھی نہ ہوئی خدا جانے دوسرے مصرعہ کی فکر مین تھے یا اس مصرعہ کی کیفیت مین محو تھے

جناب میر کے عہد مین بقا اللہ خان بقا نے یہ ایک شعر لکھا ؎

ان آنکھون کا نت گریہ دستور ہے
دوآبہ جہان مین یہ مشہور ہے

میر صاحب نے خدا جانے سُن کر کہا یا توارد ہوا اسی مضمون کو یون لکھا ہے ؎

جُز دن گئے کہ آنکھین دریا سے بہتیان تھین   سو کھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبہ

اس پر بقا نے بگڑ کر یہ قطعہ کہا ہے

میر نے گر ترا مضمون دو آب کا لیا | اے بقا تو بھی دعا دے جو اُسے دینی ہو
یا خدا میر کی آنکھون کو دو آبہ کر دے | اور بینی کا یہ عالم ہو کہ تر بینی ہو

سودا و میر مین اکثر شاعرانہ چشمکین ہوتی تھین چنانچہ ایک مرتبہ سودا لکھتے ہین

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھکو میر سے اُستاد کی طرف

جسکے جواب مین میر صاحب فرماتے ہین

طرف ہونا میرا مشکل ہے میر اس شعر کے فن مین
یونہین سودا کبھی ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

میر محمد تقی صاحب میر کے ایک صاحبزادی نہایت حسین اور سلیقہ شعار تھی اولاد سے کسے محبت نہین ہوتی انکو بھی اس لڑکی کے ساتھ بے انتہا محبت تھی۔ جب یہ لڑکی سن تمیز کو پہونچی۔ میر صاحب نے اس کی شادی کر دی۔ اتفاقیہ عین شب عروسی کو انکی پیاری بیٹی دنیا سے چل بسی۔ اس سانحہ قیامت خیز سے ہر چھوٹا بڑا ششدر و حیران تھا جس وقت جناب میر نے یہ سنا بس کلیجہ تھام کر رہ گئے فوراً سینہ و سر پیٹ لیا اور میت کے سرہانے آکر نہایت دردناک لہجے مین یہ شعر پڑھا جسکے سننے سے سننے والون کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا در و دیوار سے ماتم کی صدا آنے لگی ہائے کیا پُر اثر شعر ہے کہ اب بھی اس کے الفاظ حرف نشتر کا کام دے رہے ہین آپ فرماتے ہین

اب آیا دھیان اے آرام جان اس نامرادی مین
کفن دینا تمھین بھولے تھے ہم اسباب شادی مین

جب میر محمد تقی صاحب میر کا یہ شعر سودا نے سنا

سرہانے میر کے آہستہ بولو | ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

یہ میر صاحب کے شعر کو سن کر مسکرائے اور کہا کہ شعر تو میر صاحب کا ہی مگر درد خود ہی اُنکی دوا معلوم ہوتی ہے پھر اسی مضمون کو خود یون باندھا ہے

سوداکی جو بالین پہ ہوا شور قیامت　　خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

اس مضمون کو اور استادون نے بھی لکھا مگر جسکا حصہ تھا ہو چکا منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم یون فرماتے ہین ؎

شورِ محشر امیر کو نہ جگا　　سو گیا ہے غریب سمجھ نے دے

میرے استاد مولوی احمد حسین صاحب تمنا ان سب سے اپج کر یون لکھتے ہین ؎

آہستہ سے بے پانون صبا ہو کے نکلنا　　مرقد مین تمنا کی ابھی آنکھ لگی ہے

اب دیکھنے والے خود دیکھ سکتے ہین کہ کس نے کیا بات پیدا کی ہے

مرزا محمد رفیع سودا

نواب آصف الدولہ مرحوم کے انا کی لڑکی خورد سال تھی لیکن بڑی شوخ تھی نواب فرشتہ سیرت کی طبیعت مین عموما ایک تحمل اور بے پروائی تھی دوسرے اُسکی مان کا دودھ پیا تھا۔ نازبرداری نے اُسکی شوخی کو شرارت کردیا۔ ایک دن دوپہر کا وقت تھا۔ نواب سو رہے تھے ایسا غل مچایا کہ یہ بدخواب ہو کر جاگ اُٹھے بہت جھنجلائے اور خفا ہوتے ہوے باہر نکل آئے۔ سب ڈر گئے کہ آج نواب کو غصہ آیا خدا خیر کرے۔ باہر آکر حکم دیا۔ کہ مرزا کو بلاؤ مرزا سودا اُسی وقت حاضر ہوے۔ فرمایا کہ بھائی مرزا اس لڑکی نے مجھے بہت حیران کیا ہے تم اسکی ہجو کہدو۔ یہان تو ہر وقت مسالہ تیار ہی رہتا تھا اُسی وقت قلمدان لیکر بیٹھ گئے اور مثنوی تیار کردی کہ ایک شعر اُسکا لکھتا ہون ؎

لڑکی وہ لڑکیون مین جو کھیلے
نہ کہ لونڈون مین جاکے ڈنڈ پیلے

جبکہ فخر شعرائے ایران شیخ علی حزین وارد ہندوستان ہوئے۔ پوچھا کہ شعرائے ہند مین آج کل کوئی صاحب کمال ہے لوگون نے سودا کا نام لیا۔ اور سودا خود ملاقات کو گئے۔ شیخ کی عالی دماغی اور نازک مزاجی شہرۂ آفاق ہے نام ونشان پوچھکر کہا کہ کچھ اپنا کلام سناؤ۔ سودا نے یہ مطلع پڑھا ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے مین
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے مین

شیخ نے کہا تڑپے چہ معنی وارد۔ سودا نے کہا "اہل ہند طپیدن را تڑپنا میگویند"
شیخ نے پھر شعر پڑھوایا اور زانو پر ہاتھ مار کر کہا کہ مرزا رفیع قیامت کردی یک مرغ
قبلہ نما باقی بود آنرا ہم نگذاشتی یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوے اور بغل گیر ہو کر پاس بٹھایا۔
ایک دن سودا مشاعرے مین بیٹھے تھے لوگ اپنی اپنی غزلین پڑھ رہے تھے۔
ایک شریف زادہ کی ۱۲-۱۳ برس کی عمر اُس نے غزل پڑھی مطلع یہ تھا

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے
اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

گرمی کلام پر سودا بھی چونک پڑے پوچھا یہ مطلع کس نے پڑھا لوگون نے کہا حضرت
یہ صاحب زادہ ہے۔ سودا نے بہت تعریف کی کئی مرتبہ پڑھوایا اور کہا میان لڑکے
جوان ہوتے نظر نہین آتے۔ خدا کی قدرت اُنہین دنون مین وہ لڑکا جل کر مر گیا۔
خان آرزو کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا سودا اُن دنون جوان تھے مطلع پڑھا

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبین کو
اختر پڑے جھانکے ہین فلک سے زمین کو

یا تو لاعلمی سے یا ان کی آتش بیانی کے ڈر سے کوئی نہ بولا مگر **خان آرزو** جن کی دایہ
قابلیت کے دودھ سے مظہر سودا میر و درد وغیرہ نے پرورش پائی تھی اُنھون نے
فوراً یہ شعر پڑھا

شعر سودا حدیث قدسی ہے
چاہیے لکھ رکھین فلک پہ ملک

قدسی

آلودۂ قطرات عرق دیدہ جبین را
اختر ز فلک می نگرد روے زمین را

سودا بے اختیار اُٹھ کھڑے ہوئے اور خانصاحب کے گلے سے لپٹ گئے اور اس شکر کے ساتھ خوشی ظاہر کی کہ گویا حقیقۃً خانصاحب نے انکے کلام کو مثل حدیث قدسی تسلیم کیا۔

ایکدن سودا میر سوز کے یہاں تشریف لائے ان دنون مین شیخ علی حزین کی غزل کا چرچا تھا جسکا مطلع یہ ہے ؎

مے گر غلیتم بجا تا سر راہے گاہے
او ہم از لطف نہان داشت نگاہے گاہے

میر سوز مرحوم نے اپنا مطلع پڑھا ؎

نہین نکے ہے مرے دل کی اُ یاہے گاہے
اے فلک بہر خدا رخصت آہے گاہے

مرزا صاحب سُن کر بولے کہ بچپن مین ہمارے یہان پشور کی ڈومنیان آیا کرتی تھین یا تو جب یہ لفظ سُنا تھا یا آج سُنا ہے پھر مرزا نے خود اُسی وقت مطلع کہکر پڑھا ؎

نہین جون گل ہوس باریاہے گاہے
کاہ ہون خشک مین اے برق نگاہے گاہے

یہان جرأت کی اُن دنون مین ابتدا تھی خود جرأت نہ کرسکے ایک اور شخص نے کہا کہ حضرت کچھ یہ بھی عرض کیا چاہتے ہین - مرزا نے کہا کیون بھئی کیا ؟ جرأت نے پڑھا ؎

سرسری اُن سے ملاقات ہو گاہے گاہے
صحبت غیر مین گاہے سر راہے گاہے

سب نے پسند فرمایا۔

میان مصحفی مرحوم

انشاء اللہ خان و میان مصحفی سے ہمیشہ جب تک انشاء اللہ خان زندہ رہے چوٹین چلا کین۔ جب انشاء اللہ خان کا وقت اخیر ہوا۔ میان مصحفی نے سنا کہ آج انشاء کی بُری حالت ہے اب کوئی دم کے اور مہمان ہین۔ اُس وقت یہ اُنکے مکان پر عیادت کے لیے آئے

دیکھا تو عالم نزع مین دم توڑ رہے ہین ؎

سانس اُکھڑی ہے سرد سینہ ہے　　ماتھے پر موت کا پسینہ ہے

مصحفی نے نبض پر ہاتھ رکھ کر جو دیکھا تو کمال حسرت کے ساتھ ان کی زبان سے بیساختہ یہ مصرعہ نکل گیا ع

تیرے بیمار کو ہے عزم سفر آجکی رات

انشا نے آنکھین کھول دین اور بے اختیار یہ کہہ اُٹھے ع

نبض چل بسنے کی دیتی ہے خبر آجکی رات

یہ کہہ کے بس آنکھین بند کر لین اور جان بحق تسلیم ہوئے مصحفی کو انشا کے مرجانیکا نہایت غم ہوا بعد اسکے پھر اُنہین لطف شاعری نہ آیا چنانچہ ایک مقطع مین فرماتے ہین ؎

مصحفی کس زندگانی پر بھلا مین شاد ہون
یاد ہے مرگ قتیل و مُردن انشا مجھے

میان مصحفی ایک مشاعرے مین اپنی یہ غزل پڑھ رہے تھے حسن اتفاق سے میر تقی مرحوم بھی موجود تھے ؎

تہا نہ وہ ہاتھون کی حنا لیگئی دلکو　　ٹکڑے کے چھپا ینکی ادا لیگئی دلکو

جب یہ شعر پڑھا ؎

یان لعل فسون ساز نے باتون مین لگایا
وے پیچ اُدھر زلف اُڑا لے گئی دل کو

تو میر صاحب قبلہ نے بھی فرمایا کہ ذرا اس شعر کو پھر پڑھنا۔ ان کا اتنا کہنا ہزار تعریفون کے برابر تھا۔ شیخ موصوف اسیقدر الفاظ کو فرمان آل تمغہ اپنے کمال کا سمجھے بلکہ کئی دفعہ اُٹھ اُٹھ کر سلام کئے اور کہا کہ مین اس شعر پر اپنے دیوان مین ضرور لکھونگا کہ حضرت نے دوبارا پڑھوایا

ایک مرتبہ میان مصحفی نے مرزا سلیمان شکوہ کے مشاعرے مین ایک غزل پڑھی جسکا مقطع یہ ہے ؎

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ　　تھی اسکی دھری چشم پہ تابوت مین اُنگلی

جب مصحفی چلے گئے تو یاروں مین انکے بعض اشعار پر بہت چہ میگوئیان اور غزل کو الٹکر بڈھے بیچارے کے کلام کو خراب کیا۔ مقطع کو اس طور سے بنایا تھا ؎

تھا مصحفی کا ناجو چھپانے کو بس از مرگ | رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت مین انگلی

غرضنکہ جب یہ خبر شیخ مصحفی کو پہونچی وہ پرانا مشاق لکھنؤ بھر کا اُستاد کچھ چھوٹا آدمی نہ تھا۔ باوجود بڑھاپے کے بگڑ کھڑا ہوا۔ اور یہ غزل فخریہ اسکے جواب مین کہی ؎

مدت سے ہون مین سرخوشِ صہبائے شاعری | نادان ہی جسکو مجھ سے ہی دعوائے شاعری
مین لکھنؤ مین زمزمہ سنجانِ شعر کو | برسون دکھا چکا ہون تماشائے شاعری
بھبتا نہین ہے بزم امیرانِ دہر مین | شاعر کو میرے سامنے غوغائے شاعری
اک طرفہ خر سے کام پڑا ہے مجھے کہ ہائے | سمجھے ہے آپ کو وہ مسیحائے شاعری
اے مصحفی ز گوشۂ خلوت برون خرام | خالی ست از برائے تو جائے شاعری
ہر سفلہ را زبان و بیان تو کے رسد | آرے تو ئی فغانی و بابائے شاعری
مجنون منم چرا دگرے رنج مے برد | در حصۂ من آمدہ لیلائے شاعری

میان مصحفی ایک مرتبہ ایک سقنی کے نگاہ ناز کے بسمل جو ہوئے تو منہ مین پانی بھر آیا۔ آپ نے ایک غزل لکھی۔ اُس غزل کے چند شعر ظریفانہ الفاظ مین ہین ملاحظہ فرمائیے۔ شیخ صاحب فرماتے ہین۔ اشعار

پانی بھرے ہے یار وہان قرمزی دوشالہ | لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا
کاندھے پہ مشک لیکر جب قد کو خم کرے ہے | کافر کا نشۂ حسن ہو جائے ہے دوبالا
دریائے خون مین کیونکر ہم نیم قد نہ ڈوبین | لنگی کے رنگ سے جب وہ ان کا کمر ہو لالا

میان مصحفی ابھی زندہ تھے اور خواجہ صاحب کی طبیعت بھی اپنی گرمیان دکھانے لگی تھی۔ جو مشاعرے مین طرح ہوئی "دہن بگڑا" یا "سمن بگڑا"۔ اس مین سب نے غزلین لکھین آتش نے بھی غزل لکھکر اپنے اُستاد شیخ مصحفی کو سُنائی اور جب یہ شعر سُنائے ؎

امانت کی طرح رکھا زمین نے روز محشر تک | نہ ہو کم ہوا اپنا نہ اک تار کفن بگڑا
لگے منہ بھی چڑہانے دیتے دیتے گالیان صاحب | زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا

نشہ کے سرور میں آکر کہا کہ اُستاد اس ردیف قافیے میں کوئی یہ شعر نکالے تو کلیجہ نکل پڑتا ہے۔ اُنہوں نے ہنسکر کہا کہ ہاں میاں سچ کہتے ہو اب تو کسی سے ایسے شعر نہیں ہو سکتے بعد اسکے ایک نومشق لڑکے کی غزل کو توجہ سے بنایا اور اسمین انہیں قافیوں کو اسطرح باندھا

لکھا ہی خاک کوچے یار سے اے دیدۂ گریان
قیامت میں کرونگا گر کوئی حرف کفن بگڑا

نہ ہو محسوس جو شے کس طرح نقشہ مین ٹھیک اُترے
شبیہ یار کھنچوائی کمر بگڑی دہن بگڑا

اگرچہ اُن شعروں میں اور ان شعروں میں جو نسبت ہے وہ ان جواہرات کے پرکھنے والے ہی جانتے ہیں لیکن مشاعرے میں بہت تعریف ہوئی چونکہ لڑکے کے منہ پر یہ شعر کھلتے نہ تھے اس لیئے تاڑنے والے تاڑ گئے کہ اُستاد کی اُستادی ہے۔ خواجہ صاحب اُسیوقت اُٹھکر شیخ مصحفی کے پاس جا بیٹھے اور غزل ہاتھ سے پھینک کر کہا کہ یہ آپ ہمارے کلیجے میں چھریاں مارتے ہیں نہیں تو اس لونڈے کا کیا مُنہ تھا جو ان قافیوں میں شعر نکال لیتا۔ (آب حیات)

سید انشاء اللہ خان انشاء

سید انشاء کا عالم نوجوانی تھا مشاعرے میں غزل پڑھی۔

چھڑکی سہی ادا سہی چین بر جبین سہی
سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی

جب یہ شعر پڑھا۔

گر ناز نین کہے سے بُرا مانتے ہو تم
میری طرف تو دیکھئے میں ناز نین سہی

سودا کا عالم پیری تھا مشاعرے میں موجود تھے بولے درین چہ شک۔

مرزا عظیم بیگ ایک شاعر سید انشاء کے زمانہ میں تھے۔ سودا کے دعوی شاگردی اور پرانی مشق کے گھمنڈ نے اُنکا دماغ بہت بلند کر دیا وہ معمولی لیاقت کے آدمی تھے۔ مگر اپنے تئیں ہندوستان کا صائب سمجھتے تھے اور خصوصاً ان معرکوں میں سب سے بڑھکر قدم مارتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک دن میر انشاء اللہ خان کے پاس آئے اور غزل سُنائی کہ بحر رجز میں تھی مگر ناواقفیت سے کچھ شعر رمل میں جا پڑے۔ سید انشاء بھی موجود تھے تاڑ گئے حد سے زیادہ تعریف کی اور اصرار سے کہا کہ مرزا صاحب آپ مشاعرے میں

اسے ضرور پڑہین۔ مدعی کمال کہ مغز سخن سے بے خبر تھا اُس نے مشاعرۂ عام مین غزل پڑھ دی۔ سید انشا نے وہین تقطیع کی فرمایش کی اُسوقت اُس غریب پر جو گذری سو گذری مگر سید انشا نے اُسکے ساتھ سب کو لے ڈالا اور کوئی دم نہ مار سکا بلکہ ایک مخمس پڑھا۔

مخمس

گر تو مشاعرے مین صبا آج کل چلے　　کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے

اتنا بھی حد سے کوئی نہ باہر نکل چلے　　پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے

بحر رجز کو چھوڑ کے بحر رمل چلے

اگرچہ مرزا عظیم بیگ نے گھر جاکر اس مخمس کی طرح مین اپنی بساط کے بموجب دل کا بخار نکالا مگر وہ مشت بعد از جنگ تھی اُس مین سے ایک بند لکھتا ہون ملاحظہ فرمایئے مرزا عظیم بیگ کہتے ہین

موزونی و معانی مین پایا نہ تم نے فرق　　تبدیل بحر سے ہوئے بحر خوشی مین غرق

روشن ہے مثل مہر یہ از غرب تا بہ شرق　　شہ زور اپنے زور مین گرتا ہے مثل برق

وہ طفل کیا گریگا جو گھٹنون کے بل چلے

ایک دن کا ذکر ہے کہ نواب سعادت علی خان نے روزہ رکھا اور حکم دیا کہ کوئی آنے نہ پاوے۔ سید انشا کو کوئی ضرورت تھی یہ پہونچے۔ پہرہ دار نے کہا آج حکم نہین ہے۔ آگے آپ مالک ہین باوجود انتہائے مرحمت کے یہ بھی مزاج سے ہشیار رہتے تھے۔ تھوڑی دیر تامل کیا آخر کمر کھول دستار سر سے بڑھا قبا اتار ڈالی اور دوپٹہ عورتون کی طرح سے اوڑھ کر ایک نازو انداز کے ساتھ جا کھڑے ہوئے۔ جوان نواب نے نظر اُٹھائی اور اُن کی طرف دیکھا آپ اُنگلی ناک پر دھر کر بولے ؎

ایسی گرمی مین نہ رکھ تجھپہ مین واری روزہ

بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ

نواب بے اختیار ہنس پڑے لدرجو کچھ کہنا سُننا تھا وہ کہا اور ہنستے کھیلتے باہر چلے آئے۔

سید انشا تفریح و تضحیک کے اعتبار سے کسی جلسے مین اُنکا آنا بھانڈ کے آنے سے کم نہ تھا۔ میان مصحفی اُنکی ہجویات کے ضمن مین فرماتے ہین جسکا ایک مصرع اس موقع پر لکھتا ہون۔

ع ۔ واللہ کہ شاعر نہین تو بھانڈ ہے بھڑوے

سید انشا سنے اس کے جواب مین بہت کچھ لکھا مگر وہ مشہور نہین ہوا اور نہ اُن کی کلیات مین ہے ۔

انشاء اللہ خان کی ظرافت وبذلہ سنجی تو مشہور ہی ہے ۔ ایک دن بادشاہ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے گرمی سے گھبرا کر دستار سر سے اُتار کر رکھدی ۔ منڈا ہوا سر دیکھ کر نواب کو جو مذاق سوجھا ایک دھول سر پر جمادی ۔ آپ نے جلدی سے دستار سر پر رکھ لی اور کہا سبحان اللہ بچپن مین بزرگ سمجھایا کرتے تھے وہ بات سچ ہے کہ ننگے سر کھانا کھانے مین شیطان دھولین مارا کرتا ہے ۔

میان جرأت کا بھی وہی زمانہ تھا ۔ یہ بیچارے آنکھون سے معذور تھے ۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میان جرأت انشاء کو ملے دیکھا تو انکے چہرہ سے کچھ فکر کے آثار نمایان تھے ۔ انشاء سنے مزاج پرسی کے بعد پوچھا کہ اُستاد کیا فکر ہے ۔ میان جرات بول اُٹھے کہ ایک مصرع ہوا ہے دوسرے مصرعہ کی فکر مین ہون ۔ اُنھون سنے کہا ارشاد ہو وہ کون سا مصرعہ ہے جرأت سنے یہ مصرعہ پڑھا ع

دلف اُسکی سے نسبت شب دیجور کی سوجھی

انشاء سنے فوراً ہی دوسرا مصرعہ اُس پر لگایا اور کہا اُستاد مصرعہ تو ہو گیا ۔ اُنھون سنے کہا پڑھو ۔ آپ سنے یہ مصرعہ پڑھا ۔ ع

تاریکی مین اندھے کو بہت دور کی سوجھی

میان جرأت برہم ہوئے اور لاٹھی لیکر دوڑے مگر یہ ہوا ہو گئے ۔

لکھنؤ مین **میر علی** صاحب ایک مرثیہ خوان تھے کہ علم موسیقی مین اُنھون سنے حکیم کا مرتبہ حاصل کیا تھا مگر اپنے گھر ہی مین مجلس کرکے پڑھتے تھے کہین اور جاکر نہ پڑھتے تھے ۔ نواب سعادت علی خان سنے اُنکے شہرۂ کمال کے سبب مشتاق ہو کر طلب کیا اُنھون سنے انکار کیا اور کئی پیغام سلام کے بعد یہ کہا کہ اگر وہ حاکم وقت ہین تو مین بھی سیادت کے اعتبار سے شاہزادہ ہون اُنھین میرے ہان آنے سے عار ہے ! نواب سنے کہا کہ سید میرے ہان ہزارون سے زیادہ

ہین - میر صاحب نے اگر فخر پیدا کیا تو یہی کیا کہ سید تھے اب ڈوم بھی ہو گئے خیر اُنھین اختیار ہے - میر علی صاحب نے یہ سنکر خیالات چند در چند سے فوراً دکن کا ارادہ کیا - سید انشا جو شام کو گھر آئے تو دیکھا کچھ سامان سفر ہو رہا ہے سبب پوچھا تو وہ معاملہ معلوم ہوا اُسی وقت کمر باندھ کر پہونچے - نواب سعادت علی خان نے متحیر ہو کر پوچھا کہ خیر باشد پھر کیون آئے انھون نے ایک غزل پڑھی جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

دولت بنی ہے اور سعادت علی بنا ۔۔۔ یارب بنا بنی مین ہمیشہ بنی رہے

پھر کہا حضور! غلام جو اس وقت رخصت ہو کر چلا تو دل نے کہا کہ اپنے دولہا دُلھن (عروس سلطنت) کو ذرا دیکھون حضور؟ واقعی کہ بارہ ابھرن سولہ سنگار سے سجی تھی - سر پر جھومر وہ کون مولوی دلدار علی صاحب - کانون مین جھومکے وہ کون دونون صاحبزادے - گلے مین نولکھا ہار وہ کون تحان علامہ - غرض اسی طرح سے چند زیورون کا نام لیکر کہا کہ حضور غور کرتا ہون تو ناک مین نتھ نہین دل دھک سے ہو گیا - اللہ سہاگ قائم رکھے یہ کیا - نواب نے پوچھا کہ پھر وہ کون - کہا حضور! نتھ میر علی صاحب - بعد اسکے مفصل کیفیت بیان کی - نواب نے ہنس کر کہا کہ اُن کی دور اندیشیان بیجا ہین - مین ایسے صاحب کمال کو فخر لکھنؤ سمجھتا ہون - غرض اس شہرت سے اصل کے وظیفہ کے لئے ترقی کا پروانہ اور پانسو روپیہ کا خلعت لیکر وہان سے پھرے - میر صاحب سے ملے اور اُن کو اس ارادے سے باز رکھا -

ایکدن کا ذکر ہے کہ نواب سعادت علی خان اور جان بیلی صاحب جو رزیڈنٹ اودھ تھے - آپس مین گفتگو کر رہے تھے - اثنائے گفتگو مین نواب صاحب نے کہا ہجر بالفتح ہے جان بیلی صاحب نے کہا خلاف محاورہ ہے - سعادت علی خان بولے کہ خیر لغت کے اعتبار سے جب درست ہے تو استعمال مین کیا مضائقہ - اتنے مین سید انشا آ گئے نواب نے کہا کہ کیون سید انشا ہجر و ہجر مین تم کیا کہتے ہو - انھین یہان کی خبر نہ تھی بیساختہ کہ اُٹھے کہ ہجر بالکسر ہے - اور ساتھ ہی سعادت علی خان کی تیوری بدل گئے اور فوراً بولے حضور جیسا ہی تو جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہین ؎

شب وصل است طی شد نامۂ ہجر ۔۔۔ سلام ہی حتیٰ مطلع الفجر

یہ سنتے ہی سعادت علی خان شگفتہ ہوگئے اور اہل دربار ہنس پڑے۔

جان بیلی صاحب کے ساتھ علی نقی خان میر منشی رزیڈنٹ بھی نواب سعادت علیخان کے دربار میں آیا کرتے تھے اثنار گفتگو مین کسی کی زبان سے نکلا۔

شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

اُنھون نے کہا کہ گلستان کے ہر شعر مین مختلف روایتین ہین درلطف یہ کہ کوئی کیفیت سے خالی نہین چنانچہ ہو سکتا ہے ع

شاید کہ پلنگ خفیہ باشد

سعادت علی خان نے سید انشار کی طرف دیکھا اُنھون نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ حضور میر منشی صاحب بجا فرماتے ہین غلام نے بھی ایک نسخہ گلستان مین یہی دیکھا تھا ؎

تا مرد سخن نگفتہ باشد | عیب و ہنرش نهفیہ باشد
ہر بیشہ گمان مبر کہ خالیست | شاید کہ پلنگ خفیہ باشد

بلکہ وہ نسخہ بہت صحیح اور محشی تھا اس مین گفیہ اور نهفیہ کے کچھ معنی بھی لکھے تھے میر منشی صاحب آپکو یاد ہین۔ وہ نہایت شرمندہ ہوے اور جب رخصت ہونے لگے تو انشار اللہ خان نے فرمایا اُیر منشی صاحب کا اللہ بیلی۔

دلّی مین حافظ احمد یار ایک معقول صحبت یافتہ اور نامور حافظ اور سرکار شاہی مین زمرہ حفاظ قرآن مین نوکر تھے اگرچہ دنیا مین ایسا کون تھا جس سے سید انشار یارانہ نہ برتین۔ مگر حافظ احمد یار کے بڑے یار تھے انکا سجع کہا تھا۔

اللہ حافظ احمد یار

حافظ صاحب ایک دن ملنے گئے راستہ مین مینھ آگیا اور سید انشار کے گھر تک پہونچے پر موسلادھار برسنے لگا۔ یہ جاکر بیٹھے ہی تھے کہ حرم سرا سے ننگے ایک کھاروے کی لنگی باندھے آپ دوڑتے آئے اُنھین دیکھتے ہی اُچھلنے لگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر گرد پھرتے اور کہتے جاتے تھے۔

شعر

بھر بھر چھاجون برست نور | ردِّ بلیان دُشمن دُور

ایک دن انشاء اللہ خان دربار سے آکر کمر کھول رہے تھے کہ چوبدار آیا اور کہا
کہ جناب عالی پھر یاد فرماتے ہین یہ بیچارے پھر گئے تو کیا دیکھتے ہین کہ کوٹھے پر فرش ہے چاندنی
رات ہے پہیے دار چھپر کھٹ مین نواب صاحب بیٹھے ہین پھولون کا گہنا سامنے دھرا ہے
ایک گجرا ہاتھ مین ہے اُسے اُچھالتے ہین اور پاؤن کے اشارے سے چھپر کھٹ آگے
بڑھتا جاتا ہے۔ انشاء نے پہونچ کر مودبانہ سلام کیا۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ انشا کوئی
شعر تو پڑھو۔ یہ دن بھر کے پریشان ویسے ہی قافیہ تنگ شعر کیا خاک یاد آئے۔ خیر اُسی وقت
کچھ سمجھ مین آیا وہین کہہ کر یہ شعر پڑھ دیا۔ شعر

لگا چھپر کھٹ مین چار پہیے اُچھالا تو نے جو سے کے گجرا
تو موج دریائے چاندنی مین وہ ایسا چلتا تھا جیسے بجرا

یہ مطلع سُن کر نواب صاحب خوش ہو گئے۔ فرمایا اسے شاعری کہتے ہین! اِس معاملہ مین میان
مہتاب کا قول لکھ رکھنے کے قابل ہے کہ سید انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور
شاعری کو سعادت علی خان کی مصاحبت نے ڈبویا۔

خاقانی ہند حضرت ذوق

ایک دن دربار بہادر شاہ ظفر مین میان ذوق مرحوم اُستاد شاہ بھی موجود تھے
ایک مرشدزادے تشریف لائے وہ شاید کسی اور مرشدزادہ کی یا بیگمات مین سے کسی بیگم کی
طرف سے کچھ عرض لیکر آئے تھے اُنھون نے آہستہ آہستہ بادشاہ سے کچھ کہا اور رخصت ہوئے
حکیم احسن اللہ خان بھی موجود تھے اُنہون نے عرض کی صاحب عالم اس قدر جلدی؟ یہ آنا کیا
تھا۔ اور تشریف لیجانا کیا تھا صاحب عالم کی زبان سے اُس وقت نکلا۔ کہ ع

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

بادشاہ نے اُستاد کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اُستاد دیکھنا کیا صاف مصرعہ ہوا ہے۔ اُستاد نے
بے توقف عرض کی کہ حضور ے

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یہ اخیر عمر کی غزل ہے اسکے دو تین ہی برس بعد آپکا انتقال ہو گیا -

ایک دفعہ قلعہ مین مشاعرہ تھا حکیم آغا جان عیش کہ کہن سال مشاق اور نہایت زندہ دل شاعر تھے اُستاد ذوق مرحوم کے قریب ہی بیٹھے تھے - زمین غزل تھی - یار دے بہار دے - روزگار دے - حکیم آغا جان عیش نے ایک شعر اپنی غزل مین پڑھا ؎

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہو کس لیے
تھوڑی سی رہ گئی ہو اسے بھی گذار دے

انکے ہان بھی اسی مضمون کا ایک شعر تھا - اپنے ایک دوست سے جو انکے پہلو مین بیٹھے تھے کہنے لگے کہ مضمون لڑ گیا اب مین وہ شعر نہ پڑھون - اُنھون نے کہا کہ کیون نہ پڑھو نہ پہلے اُنھون نے آپکا مضمون سُنا تھا نہ آپ نے اُنکا - اس سے بھی طبیعتون کا اندازہ ملتا ہے کہ ایک منزل پر دونون کی فکر پہونچی - مگر کس کس انداز سے چنانچہ حکیم صاحب مرحوم کے بعد ہی انکے آگے شمع آئی اُنھون نے پڑھا ؎

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر گذار یا اسے ہنس کر گذار دے

جب ذوق مرحوم کی عمر ۱۹ سال کی تھی اُنھون نے ایک قصیدہ کہکر دربار مین پیش کیا جسکے مختلف شعرون مین انواع واقسام کے صنائع وبدائع صرف کیے تھے جسکا مطلع یہ تھا ؎

جبکہ سرطان واسد مہر کا ٹھہرا مسکن
آب وایلولہ ہوئے نشو ونماء گلشن

اس پر بادشاہ نے خاقانی ہند کا خطاب عطا فرمایا - خاقانی ہند کے خطاب پر لوگون نے بڑے بڑے چرچے کیے کہ بادشاہ نے یہ کیا کیا کہن سال اور نامی شاعرون کے ہوتے ایک نوجوان نو مشق کو ملک الشعرا بنا دیا اور ایسا اعلیٰ درجہ کا خطاب دیا - ایک جلسہ مین یہی گفتگو ہو رہی تھی کسی نے کہا جس قصیدہ پر یہ خطاب ہوا ہے اُسے بھی تو دیکھنا چاہیئے - چنانچہ قصیدہ منگا کر پڑھا گیا - میر کلو حقیر کہ شاعر سن رسیدہ اور شعراے قدیم کے صحبت یافتہ تھے سُن کر بولے کہ بھئی انصاف شرط ہے کلام کو بھی تو دیکھیے ایسے شخص کو بادشاہ نے خاقانی ہند کے

خطاب سے ملک الشعرا بنا دیا تو کیا بُرا کیا۔

ایک دن ایک شخص نے ذوق مرحوم سے کہا کہ میرے ایک دوست کا نام غلام علی ہے اور باپ کا نام غلام محمد ہے اُس نے نہایت تاکید سے فرمائش کی ہے کہ حضرت سے ایسا سجع کہلوا دو کہ جس مین دونو نام آجائین آپ نے سُن کر وعدہ کیا اور کہا کہ دو تین دن مین آپ آئیے گا انشاء اللہ ہو جائیگا وہ رخصت ہو کر چلے ڈیوڑھی کے باہر نکلے ہونگے کہ نوکر سے کہا محمد بخش بُلانا اُنھین لینا لینا خوب ہوا کہ انکے تقاضے سے جلدی مخلصی ہو گئی۔ جب وہ لوٹے تو اُنھون نے یہ سجع لکھکر حوالہ کیا ع

پدر غلام محمد پسر غلام علے

دیوان چندو لعل نے حیدرآباد سے حضرت ذوق کا شہرہ سُن کر مصرعہ طرح بھیجا اور یہ بھی لکھا کہ آپ تشریف لائین آپنے غزل کہہ کر بھیجدی اور مقطع مین یہ شعر لکھا؎

آج کل گرچہ دکن مین ہے بڑی قدرِ سخن

کون جائے ذوق پر دلی کی گلیان چھوڑ کر

اُنھون نے خلعت اور پانسو روپیہ بھیجے مگر آپ نہ گئے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے ذوق مرحوم نے بادشاہ کی غزل مین یہ مطلع لکھا؎

آج ابرو کی ترے تصویر کھنچکر رہ گئی

سُنتے ہین بھوپال مین شمشیر کھنچکر رہ گئی

پھر معلوم ہوا کہ انہین دنون مین بھوپال مین تلوار چلی تھی۔ اکثر ایسے اتفاقات دیکھے گئے ہین۔

حضرت ذوق مرحوم ایک دن بادشاہ کی غزل لکھ رہے تھے مطلع ہوا کہ؎

ابرو کی اُسکے بات ذرا چل کے تھم گئی

تلوار آج تا بلقا چل کے تھم گئی

دو تین شعر لکھ چکے تھے کہ خلیفہ اسمعیل دربار سے پھر کر آئے اُنھون نے کہا کہ جب مین بھوانی شنکر کے چھتے کے پاس پہونچا تو کھاری باولی کے رخ پر دیکھا کہ دو تین آدمی کھڑے ہین اور آپس مین تکرار کر رہے ہین باتون باتون مین ایسی بگڑی کہ تلوار کھنچ گئی اور دو تین آدمی زخمی ہوئے۔ حافظ ویران

یہان پہلے سے بیٹھے ہوئے غزل کے شعر سُن رہے تھے ہنس کر بولے کہ حضرت آپ کیا وہان موجود تھے آہستہ کہا کہ یہین بیٹھے بیٹھے سب کچھ ہوجاتا ہے۔ حسن اتفاق ۔

مولانا محمد حسین صاحب آزاد آب حیات مین تحریر فرماتے ہین کہ اُستاد ذوق مرحوم کا جس رات کے صبح ہوتے انتقال ہوا قریب شام مین بھی موجود تھا کہ اُنھین مثیاب کی حاجت معلوم ہوئی خلیفہ صاحب نے اُٹھایا چوکی پائنتی لگی ہوئی تھی ۔ ہاتھ کا سہارا دیا اور اُنھون نے کِھسک کر آگے بڑھنا چاہا طاقت نے یاری نہ دی تو کہا آہ ناتوانی ۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا شاعرون ہی کا ضعف ہوگیا ۔ حافظ ویران بھی بیٹھے تھے وہ بولے کہ آپ نے بھی ضعف کے بڑے بڑے مضمون باندھے ہین مُسکرا کر فرمایا کہ اب تو کچھ اُس سے بھی زیادہ ہے مین نے کہا سبحان اللہ اِس عالم مین بھی مبالغہ قائم ہے خدا اس مبالغہ کے ساتھ توانائی دے ۔ مین رخصت ہوا رات اُسی حالت سے گذری صبح ہوتے کہ ۲۴ صفر ۱۲۷۴ھ جمعرات کا دن تھا ۔ ۱۷ دن بیمار رہ کر وفات پائی ۔ مرنے سے تین گھنٹے پہلے یہ شعر کہا تھا ۔

کہتے ہین آج ذوق جہان سے گذر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

شعرائے ہند نے جس قدر تاریخین انکی کہین آج تک کسی بادشاہ یا صاحب کمال کو نصیب نہین ہوئین

مرزا نوشہ غالب

جس قدر **غالب** کا نام بلند ہے اُس سے ہزار درجہ عالم معنی مین کلام بلند ہے بلکہ اکثر اشعار ایسے اعلیٰ درجۂ رفعت پر واقع ہوے ہین کہ ہمارے نارسا ذہن وہان تک نہین پہونچ سکتے جب ان شکایتون کے چرچے زیادہ ہوے اور اکثرون نے انکے کلام کو مہمل قرار دیا تو اس ملک بے نیازی کے بادشاہ نے جو اقلیم سخن کا بھی بادشاہ تھا اپنی غزل کے ایک شعر سے سب کو جواب دیدیا ۔ آپ فرماتے ہین ؎

نہ ستایش کی تمنا نہ صلے کی پروا
نہ سہی گر مرے اشعار مین معنی نہ سہی

ایک رُباعی بھی آپکی اُسی زمانہ کی ہے وہ یہ ہے ؎

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل | سُن سُن کے سخنوران کامل
آسان کہنے کی کرتے ہین فرمایش | گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

اہل ظرافت مرزا غالب سے اکثر نوک جھونک کی لیا کرتے تھے - ایک دفعہ کا ذکر ہی آپ مشاعرے مین تشریف لے گئے - حکیم آغا جان عیش ایک خوش طبع شگفتہ مزاج شاعر تھے - غزل طرحی مین ایک قطعہ پڑھا جسکا اشارا مرزا صاحب کی طرف تھا - فرماتے ہین -

قطعہ

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے | مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور کلام میرزا سمجھے | مگر انکا کہا یہ آپ سمجھین یا خدا سمجھے

اسی واسطے اخیر عمر مین غالب نے وہ طریقہ بالکل ترک کردیا - دیکھو بعض بعض غزلین کیسی صاف ہین -

ایک مرتبہ مرزا نوشاہ غالب کو بہادر شاہ ظفر نے اپنے کھانے کی بیسنی روٹی بھیجی - آپ نے اُسکے شکریہ مین ایک قطعہ فی البدیہ لکھکر بادشاہ کی خدمت مین بھیجا ؎

نہ پوچھ اسکی حقیقت حضور والا نے | مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی
نہ کھاتے گیہون نکلتے نہ خلد سے باہر | جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب نے ۷۲ برس کی عمر مین اس جہان فانی سے انتقال کیا - مرنے سے چند روز پیشتر یہ شعر کہا تھا اور اکثر یہی پڑھتے تھے ؎

دم واپسین برسر راہ ہے | عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

مولوی فضل حق صاحب غالب کے بڑے دوست تھے - ایک دن غالب اُنکی ملاقات کو گئے اُنکی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آیا کرتے تو "خالق باری" کا یہ مصرعہ پڑھا کرتے ؏

"بیا برادر آؤ رے بھائی"

چنانچہ مرزا صاحب کی تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوے اور یہی مصرعہ کہہ کر بٹھایا - ابھی بیٹھے ہی تھے کہ مولوی صاحب کی زنڈی دوسرے دالان سے اُٹھکر پاس آن بیٹھی - مرزا صاحب نے فرمایا

ہان صاحب اب وہ دوسرا مصرعہ بھی فرماد یجئے ع

"بنشین مادر بیٹھ ری مائی"

مولوی صاحب نہایت خفیف ہوئے اُس دن سے یہ عادت چھوڑ دی۔

مرزا غالب کو ایک آفت ناگہانی کے سبب سے چند روز جیلخانے مین اس طرح رہنا پڑا کہ جیسے حضرت یوسف کو زندان مصر مین کپڑے میلے ہو گئے جوئین پڑ گئی تھین ایک دن بیٹھے کپڑون سے جوئین چُن رہے تھے ایک رئیس وہین عیادت کے لئے پہونچے۔ پوچھا مرزا صاحب کیا حال ہے آپ نے آنکھون مین آنسو بھر کر بصد یاس و حسرت یہ شعر پڑھا ؎

ہم غمزدہ جس دن سے گرفتار بلا ہین

کپڑون مین جوئین بخیون کے ٹانکون سے سوا ہین

اور جس دن وہان سے نکلنے لگے اور لباس تبدیل کرنے کا موقع آیا تو وہان کا کرتہ وہین پھاڑ کر پھینکا اور یہ شعر پڑھا ؎

ہائے اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب

جسکی قسمت مین ہو عاشق کا گریبان ہونا

ایک دفعہ **مرزا غالب** بہت قرضدار ہو گئے قرض خواہون نے نالش کر دی جواب دہی مین طلب ہوئے مفتی صاحب کی عدالت تھی جسوقت پیشی مین گئے یہ شعر پڑھا ؎

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہان

رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مرزا جوان بخت بہادر شاہ ظفر کے بیٹے تھے۔ جب اُنکی شادی کا موقع آیا تو بڑی دھوم کے سامان ہوئے۔ غالب نے سہرا کہ کر حضور مین گذرانا جسکا مقطع یون لکھا تھا ؎

ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین

دیکھین اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

مقطع کو سُنکر بادشاہ کو خیال ہوا کہ اس مین ہم پر چشمک ہے۔ گویا اسکے معنی یہ ہوئے کہ اس سہرے کے برابر کوئی سہرا کہنے والا نہین ہے۔ ہم نے جو شیخ ابراہیم ذوق کو اُستاد اور ملک الشعرا بنایا ہے

یہ سخن فہمی سے بعید ہے۔ بلکہ طرفداری ہے۔ چنانچہ اُسی دن ذوق مرحوم بادشاہ کے حضور مین جو گئے تو بادشاہ نے وہ سہرا دیا کہ اُستاد اسے دیکھیئے۔ اُنہون نے پڑھا اور بموجب عادت کے عرض کی پیر و مرشد درست۔ بادشاہ نے کہا کہ اُستاد تم بھی ایک کہدو۔ عرض کی بہت خوب پھر فرمایا کہ ابھی لکھ دو اور ذرا مقطع پر بھی نظر رکھنا۔ ذوق مرحوم وہین بیٹھ گئے اور سہرا لکھا۔ اخیر کا شعر مقطع کے جواب مین اس طور سے لکھا ؎

جسکو دعوی ہے سخن کا یہ سُنا دو اُس کو
دیکھ اس طرح سے کہتے ہین سخنور سہرا

ارباب نشاط حضور مین ملازم تھین اُسیوقت اُنہین ملا۔ شام تک شہر کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ مین پھیل گیا۔ دوسرے دن اخبارون مین مشتہر ہوگیا۔ مرزا بھی بڑے اداشناس اور سخن فہم تھے سمجھے کہ تھا کچھ اور ہوگیا کچھ۔ اور یہ قطعہ حضور مین گذرانا

قطعہ در معذرت

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی — اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہین مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری — کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہین مجھے
آزادہ رو ہون اور مرا مسلک ہے صلح کُل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہین مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہون — مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہین مجھے
اُستاد شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال — یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہین مجھے
جامِ جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہ کی حاجت نہین مجھے
مین کون اور ریختہ ہان اس سے مُدعا — جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہین مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثال امر — دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہین مجھے
مقطع مین آپڑی ہے سخن گسترانہ بات — مقصود اس سے قطعِ محبت نہین مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہین جنون نہین وحشت نہین مجھے
قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہین — ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہین مجھے
صادق ہون اپنے قول کا غالب خدا گواہ — کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہین مجھے

مرزا غالب کو مرنے سے بیس برس پہلے تاریخ فوت کا ایک مادہ ہاتھ آیا۔ اس طرح سے موزون فرمایا۔

منکہ باشم کہ جاودان باشم	چون نظیری نماند و طالب مُرد
ور بپرسند در کدامین سال	مُرد غالب بگو کہ غالب مُرد

اس حساب سے ۱۲۷۷ھ مین مرنا چاہیے تھا۔ اسی سال شہر مین سخت وبا آئی ہزارون آدمی مر گئے۔ میر مہدی صاحب کے جواب مین آپ تحریر فرماتے ہین۔ وبا کو کیا پوچھتے ہو قدر انداز قضا کے ترکش مین ایک یہی تیر باقی تھا۔ قتل عام ایسا۔ لوٹ ایسی سخت۔ کال ایسا پڑا۔ وبا کیون نہ ہو۔ لسان الغیب نے دس برس پہلے فرمایا ہے ؎

ہو چکین غالب بلائین سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

یہان ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی مگر مین نے وبائے عام مین مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اسمین میری کسر شان تھی بعد رفع فساد ہوا کے سمجھ لیا جائیگا۔

مرزا غالب جسوقت کلکتے مین تشریف رکھتے تھے انکے بہت بڑے عنایت فرما مولوی کرم حسین صاحب جو وہان کے رئیسون مین تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے مولوی صاحب موصوف نے اپنے کف دست پر ایک چکنی ڈلی بے ریشہ رکھکر مرزا صاحب سے فرمایش کی کہ ہان اس پر کچھ تشبیہات نظم کیجیے آپ نے اُسی وقت یہ اشعار موزون کرکے پڑھے ؎

ہی جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی	زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے
خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیے	ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہیے
مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے	حرزِ بازوے شگرفانِ خود آرا کہیے
مسی آلودہ سر انگشت حسینان لکھیے	داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے
خاتمِ دستِ سلیمان کے مشابہ لکھیے	سرِ پستانِ پریزاد سے مانا کہیے
اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجیے	خالِ مشکینِ رخِ دلکشِ لیلےٰ کہیے
حجر الاسودِ دیوارِ حرم کیجیے فرض	نافہ آہوے بیابانِ ختن کا کہیے

وضع مین اسکو اگر سمجھئے قافِ تریاق | رنگ مین سبزۂ نوخیز مسیحا کہئے
صومعے مین اِسے ٹھہرائیے گرمہر نماز | میکدہ مین اسے خشتِ خمِ صہبا کہئے
کیون اسے قفل درِ گنج محبت لکھئے | کیون اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیئے
کیون اسے گوہرِ نایاب تصور کیجئے | کیون اسے نقشۂ یا ناقۂ سلما کہئے

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجئے فرض
اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئے

جناب میر سوز و میر خلیق صاحب

میر سوز مرحوم نے علاوہ شاعری کے شعر خوانی کا ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا کہ جس سے کلام کا لطف دوچند ہو جاتا تھا چنانچہ یہ قطعہ بھی ایک خاص موقع پر ہوا اور عجیب انداز سے پڑھا گیا

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے | سلام اللہ خانصاحب کے ڈیرے
وہان دیکھے کئی طفل پریرو | ارے رے رے ارے رے رے ارے رے

چوتھا مصرعہ پڑھتے پڑھتے زمین پر گر پڑے گویا پریزادون کے دیکھتے ہی دل بے قابو ہو گیا اور ایسے نڈھال ہوے کہ ارے رے رے کہتے کہتے غش کھا کر بیہوش ہو گئے ۔

میر سوز مرحوم نے ایک مرتبہ ایک غزل مین ایک قطعہ اس طور سے سُنایا کہ سارے مشاعرے کے لوگ گھبرا کے اُٹھ کھڑے ہوے ۔ قطعہ یہ تھا ۔

او مار سیاہ زلف سچ کہہ | بتلادے دل جہان چھپا ہو
گنڈلی تلے دیکھیو نہ ہووے | کاٹا نہ افعی ترا بُرا ہو

پہلے مصرعہ مین ڈرتے ڈرتے جھککر جھکے گویا گنڈلی تلے دیکھنے کو جھکے ہین اور جس وقت کہا کاٹا نہ افعی بس دفعتہ ہاتھ کو چھاتی سے مسوس ایسے بے اختیار لوٹ گئے کہ لوگ گھبرا کر سنبھالنے کو کھڑے ہو گئے ۔ (صحیح افعی ہے محاورے مین افئی کہتے ہین)

نواب مرزا تقی نے چاہا کہ فیض آباد مین بھی شعر و سخن کا چرچا ہو مشاعرہ قائم کیا اور خواجہ حیدر علی آتش کو لکھنؤ سے بُلایا تجویز یہ تھی کہ اُنہین وہین رکھین ۔ پہلے ہی جلسے مین میر خلیق

شاگرد مصحفی نے جو غزل پڑھی اُسکا مطلع یہ تھا ؎

رشکِ آئینہ ہے اُس رشکِ قمر کا پہلو
صاف اِدھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو

آتش نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی اور کہا جب ایسا شخص یہان موجود ہے تو میری کیا ضرورت۔ دیکھئے تو اُس زمانے کے لوگ کیسے منصف مزاج ہوا کرتے تھے۔

مومن خان صاحب مومن

جب مومن خان صاحب مومن پہلی مرتبہ دلّی سے رامپور تشریف لائے آپنے یہ شعر فرمایا۔

دلی سے رامپور مین لایا جنون کا شوق
ویرانہ چھوڑ آئے ہین ویرانہ تر مین ہم

دوسری دفعہ سہسوان گئے وہان فرماتے ہین ؎

چھوڑ دلی کو سہسوان آیا
ہرزہ گردی مین مبتلا ہون مین

مومن خان کی بلند پروازی و نازک دماغی بہت بڑھی ہوئی تھی ایک شاگرد نے غزل مین یہ شعر لکھا ؎

ہجر مین کیونکر پھرون ہر سو نہ گھبرایا ہوا
وصل کی شب کا سمان آنکھون مین ہے چھایا ہوا

خان صاحب نے پہلے مصرعہ کو یون بدل دیا ؏

اس طرف کو دیکھتا بھی ہے تو شرمایا ہوا

اب ان جواہرات کے پرکھنے والے دیکھین کہ شعر کہان سے کہان پہونچ گیا۔

شاہ محمد اسحاق جو ایک بزرگ دلّی مین تھے جب آپ نے ہجرت کی۔ مومن نے یہ قطعہ فی البدیہہ کہا ؎

گفتم وحید عصر اسحاق | بر حکم شاہنشہ دو عالم

بگذاشتہ دار حرب امسال جا کردہ بہ مکۂ معظم

وحید عصر اسحاق کے اعداد ساتھ ملا دو اور دار حرب کے اعداد اس مین سے تقسیم کرو تو سنہ ۱۲۰۹ تاریخ ہجرت نکلتی ہے۔

ایک شخص زین خان نامی حج کو جاتے تھے کسی وجہ سے راستہ ہی سے پلٹ آئے۔ مومن خان نے کیا خوب تاریخ کہی ہے ع

"چون بیاید ہنوز خر ملا شد"

شیخ امام بخش ناسخ

ایک دن شیخ ناسخ صاحب کسی سوداگر کی کوٹھی مین گئے سوداگر بچہ کہ دولت حسن کا بھی سرمایہ دار تھا عجب انداز معشوقانہ سے سامنے لیٹا ہوا تھا کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا۔ آپنے دیکھ کر فرمایا ع

ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز ہے

یہ مصرعہ تو ہو گیا مگر دوسرا مصرعہ جیسا جی چاہتا تھا ویسا نہ ہوتا تھا۔ گھر آئے اسی فکر مین غرق تھے کہ خواجہ وزیر وزیر آ گئے اُنھون نے خاموشی کا سبب پوچھا۔ شیخ صاحب نے بیان فرمایا اتفاق ہے کہ اُنکی طبیعت لڑ گئی اور اس مصرعہ پر یون مصرعہ لگایا ؎

ہے چشم نیم باز عجب خواب ناز ہے
فتنہ تو سو رہا ہے در فتنہ باز ہے

شیخ صاحب بہت خوش ہوے اُٹھکر اپنے ذہین و طباع شاگرد کو گلے سے لگالیا۔

شیخ امام بخش ناسخ جس وقت الہ آباد مین تشریف رکھتے تھے۔ ایک دن مشاعرہ تھا سب شعراء طرحی غزلین کہہ کر لائے۔ شیخ صاحب نے جو غزل پڑھی مطلع یہ تھا ؎

دل اب محو ترسا ہوا چاہتا ہے
یہ کعبہ کلیسا ہوا چاہتا ہے

ایک لڑکے نے حلقت کے پیچھے سے سر نکالا بھولی بھالی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ معرکہ مین غزل پڑھتے ہوئے ڈرتا ہے لوگون کی دلدہی نے اُسکی ہمت باندھی پہلا ہی مطلع تھا ؎

دل اُس بت پہ شیدا ہوا چاہتا ہی　　خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے

محفل مین دھوم مچ گئی - شیخ ناسخ نے بھی تعریف کی اور کہا کہ بھائی یہ فیضان الٰہی ہے اس مین اُستادی کا زور نہین چلتا تمہارا مطلع مطلع آفتاب ہے - مین اپنا پہلا مصرعہ غزل سے نکالڈالونگا اللہ ری منصف مزاجی -

خواجہ وزیر وزیر کی شادی مین جس وقت شیخ ناسخ پہونچے اور اپنے پیارے شاگرد کو دولہ بنا ہوا دیکھا آپ نے فی البدیہہ یہ مادہ تاریخ فرمایا ع

شدہ نوشہ وزیر من امروز

خواجہ آتش نے جب ناسخ کی غزلون پر غزلین لکھنا شروع کین تو ناسخ نے یہ مطلع لکھا

لکھ رہا ہے ایک جاہل میرے دیوان کا جواب

بو سیلم نے لکھا تھا جیسے قرآن کا جواب

اسکے جواب مین آتش لکھتے ہین ؎

کیون نہ دے ہر مومن اُس ملحد کے دیوان کا جواب

جس نے دیوان اپنا ٹھہرایا ہو قرآن کا جواب

ناسخ کا رنگ کالا تھا - اکثر لوگ دُم کٹے بھینسے کی پھبتی کہا کرتے تھے رنگ شہ روغن کے اعتبار سے ایک مرتبہ آتش نے یہ مطلع لکھا ؎

روسیہ دشمن کا یون پاپوش سے پیچھے نگار

جیسے سلہٹ کی سپر پر زخم ہو شمشیر کا

ناسخ نے نہایت منکسر مزاجی کے ساتھ اسکا جواب یون لکھا ؎

مین گو کہ حسن سے ظاہر مین مثل ماہ نہین

ہزار شکر کہ باطن میرا سیاہ نہین

انکے شاگرد رشید گویا نے بھی اسکے جواب مین ایک مطلع لکھا ؎

ہے یقین گل ہو جو دیکھے گیسوے دلبر چراغ
آگے کالے کے بھلا روشن رہے کیونکر چراغ

اسکا جواب وزیر علی صبا آتش کے شاگرد نے پھر لکھا ؎

فروغ حُسن پہ کب زور زلف چلتا ہے
یہ وہ چراغ ہے کالے کے آگے جلتا ہے

غرضکہ ان دونون صاحب کمالون مین اسی طرح چوٹین چلا کرتی تھین ۔

شیخ امام بخش ناسخ ایک مشاعرہ مین ایسے وقت پہونچے کہ جلسہ ختم ہو چکا تھا۔ مگر خواجہ حیدر علی آتش وغیرہ چند شعرا ابھی موجود تھے یہ جا کر بیٹھے تعظیم رسمی اور مزاج پرسی کے بعد کہا۔ جناب خواجہ صاحب مشاعرہ ہو چکا اُنھون نے کہا کہ سب کو آپکا اشتیاق رہا شیخ ناسخ صاحب نے فوراً یہ مطلع پڑھا ؎

جو خاص ہین وہ شریک گروہ عام نہین
شمار دانہ تسبیح مین امام نہین

چون کہ نام بھی امام بخش تھا اس لئے تمام اہل جلسہ نے نہایت تعریف کی۔ خواجہ صاحب کو اپنے ہمعصر کی اس فوق پر صبر نہ آیا اور اُسکے جواب مین فوراً اُنھون نے یہ مطلع وہین موزون کر کے پڑھا ؎

یہ بزم وہ ہے کہ لاخیر کا مقام نہین
ہمارے گنجفہ مین بازی غلام نہین

خواجہ وزیر وزیر بھی موجود تھے اُنھون نے اسکے جواب مین وہ مطلع پڑھا کہ ناسخ اچھل پڑے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت لاجواب مطلع لکھا ہے ؎

جو خاص بندے ہین وہ بندۂ عوام نہین
ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہین

اس موقع پر ہمکو ایک شعر منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کا یاد آگیا۔ اگرچہ اس قصے سے کوئی تعلق نہین ہے مگر جی نہیں چاہتا کہ دوستون کو لطف سے محروم رکھون ؎

جو بیکشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو　　آسیر مسجد جامع مین آج اسام نہین

شیخ ناسخ ایک دن نواب نصیر الدین حیدر کے حضور مین حاضر تھے۔ حقہ سامنے تھا۔ فرمایا کہ شیخ صاحب! اس پر کچھ کہیے۔ انھون نے اسی وقت کہا ؎

حقہ جو ہے حضور معلی کے ہاتھ مین　　گویا کہ کہکشان ہے ثریا کے ہاتھ مین

ناسخ یہ سب بجا ہے ولیکن تو عرض کر　　بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ مین

بعض احباب کہتے ہین کہ ظاہر الفاظ مین حقہ کہکشان ہے اور ممدوح ثریا۔ مگر ایسے ممدوحون کو چاند۔ سورج بلکہ بہ اعتبار قدر و منزلت فلک تک بھی کہہ دیا ہے۔ ثریا سے آج تک کسی نے تشبیہہ نہین دی۔ شیخ ناسخ کلام کی گرمی و شوخی اور چستی ترکیب سے دست بردار ہوے۔ اگر اصول فن کو ہاتھ سے نہین جانے دیا اُنکی طرف یہ قطعہ منسوب کرنا چاند پر داغ لگانا ہے لیکن چونکہ فی البدیہ کہا ہے اس لئے اس قدر سخت گیری بھی جائز نہین۔

ایک غزل **ناسخ** کی جسکا مطلع ہے ؎

دل لیتی ہے وہ زلف سیہ فام ہمارا

بجھتا ہے چراغ آج سر شام ہمارا

ایک امیر شرفائے لکھنؤ مین سے تھے لوگ اُنکو مرزائی صاحب کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ شیخ صاحب کے بہت دوست تھے اُنھون نے ایک عمدہ فیروزہ پر آپکا نام کھدوا کر انگوٹھی بنوا کر دی اکثر پہنے رہتے تھے کبھی اُتار کر رکھ بھی دیتے وہ کسی نے چرا لی یا کھو گئی اُس پر آپ فرماتے ہین ؎

ہم سا کوئی گمنام زمانے مین نہ ہوگا

گم ہو وہ نگین جس پہ کھدے نام ہمارا

شیخ ناسخ کے زمانے مین ایک مشاعرے مین طرح یہ تھی "تقدیر پس پشت۔ تصویر پس پشت" اس مین لکھنؤ کے بڑے بڑے شعراء وقت نے غزلین پڑھین۔ ناسخ کے ہمراہ انکا غلام بھی مشاعرے مین گیا تھا۔ عین مشاعرے مین اِس نے کہا کہ ایک شعر خادم نے بھی لکھا ہے اجازت ہو تو پڑھون۔ کچھ لوگون نے تو اسکی اس حرکت کو دیوانہ پن سمجھا مگر کچھ لوگ

ایسے بھی تھے کہ جن صاحبوں نے یہ فرمایا کہ نہیں نہیں کیا حرج ہے پڑھنے دیجئے غرضکہ بڑی دقت سے اسکو پڑھنے کی اجازت دی گئی جسوقت اس نے یہ شعر پڑھا ؎

زلفوں نے تو پائی رخ تابان کی معافی
چوٹی کو ملی ہے ترے جاگیر پس پشت

سارا مشاعرہ چونک پڑا اور منصف مزاجوں نے تو اپنی غزلیں پھاڑ ڈالیں۔ اس شعر کی بے انتہا داد دی گویا مشاعرہ اُسی کے ہاتھ رہا۔

خواجہ حیدر علی آتش

نواب معتمد الدولہ بہادر ناسخ مرحوم کے ہمعصر تھے۔ انکے مشاعرے لکھنؤ میں بہت دھوم دھام سے ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جو مشاعرہ کیا تمام شہر میں مصرعہ طرح تقسیم کیا لیکن آتش کو ایک روز پیشتر مصرعہ طرح بھیجا۔ آپ نے فرمایا شاید معتمد الدولہ بہادر کو ہمارا امتحان منظور ہے جو طرح عین وقت پر بھیجی۔ خیر یوں تو ہم مشاعرے میں جاتے یا نہ جاتے اب ضرور جائینگے غزل کہی تلوار کمر سے لگائی۔ بنکے دار ٹوپی زیب سر کی۔ شاگردوں کے ہجوم غفیر سے مشاعرے میں تشریف لے گئے۔ دیکھا تو نواب موصوف نے نیا مکان جو تعمیر کرایا ہے اُسمیں مشاعرے کی صحبت گرم ہے۔ آپ نے مکان کو دیکھکر فی البدیہہ یہ مطلع کہا اور جب شمع سامنے آئی تو یوں گہر فشاں ہوئے ؎

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکان ہے
زمین جسکی چہارم آسمان ہے

مطلع تھا برمحل۔ مشاعرے میں اک دھوم مچ گئی۔ احباب تو احباب دشمن کی زبان سے بھی واہ نکل گئی۔ نواب صاحب موصوف نے خلعت عطا فرماکر بڑی عزت سے رخصت کیا۔

ایکدفعہ نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ تھا وہ ناسخ کے معتقد تھے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ شیخ صاحب غزل پڑھ چکیں تو انہیں بر سر مشاعرہ خلعت دیں یار لوگوں نے خواجہ آتش کے پاس مصرع طرح بھیجا انہیں اس وقت مصرعہ پہنچا جب ایکدن مشاعرے میں باقی تھا خواجہ صاحب

بہت خفا ہوے اور کہا کہ اب لکھنؤ رہنے کا مقام نہیں ہم نہ رہیں گے شاگرد جمع ہوے اور کہا کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں جیا زمند حاضر ہیں دو دو شعر کہیں گے تو صد ہا شعر ہو جائیں گے۔ وہ بہت تند مزاج تھے اُن سے بھی ویسی ہی تقریر کی۔ آخر شہر کے باہر چلے گئے۔ پھرتے پھرتے ایک مسجد میں جا بیٹھے وہاں سے غزل کہہ کر لائے اور مشاعرے میں گئے تو ایک قرابین بھی بھر کر لیتے گئے۔ بیٹھے ایسے موقع پر کہ میں مقابل شیخ صاحب کے تھے اول تو آپکا انداز ہی بانکے سپاہیوں کا تھا اس پر قرابین بھری سامنے رکھی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ خود بھی بھرے بیٹھے ہیں۔ بار بار قرابین اُٹھاتے تھے جب شمع سامنے آئی تو سنبھلکر ہو بیٹھے اور شیخ صاحب کی طرف اشارہ کر کے پہلے یہ مطلع پڑھا ؎

سُن تو سہی جہان میں ہے تیرا فسانہ کیا ‌ ‌ ‌ ‌ کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا

پھر یہ شعر پڑھا ؎

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال ‌ ‌ ‌ ‌ ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

مقطع ملاحظہ ہو ؎

گو رشک ہے حسد سے نہ نسبت دو مدعی ‌ ‌ ‌ ‌ آتش غزل یہ تو نے لکھی عاشقانہ کیا

غرضکہ ساری غزل میں کہیں بانکے سپاہی ہونے پر کہیں ذخیرہ دولت پر کہیں ان کے سامان امارت پر چوٹیں کی تھیں۔ شیخ صاحب بیچارے دم بخود تھے۔ نواب صاحب ڈرے کہ خدا جانے یہ اُن پر قرابین خالی کریں یا میرے پیٹ میں آگ بھر دیں اسی وقت داروغہ کو اشارہ کیا کہ دوسرا خلعت خواجہ صاحب کے لئے تیار کرو غرض دونوں صاحبوں کو برابر خلعت دیکر رخصت کیا۔

ایک مرتبہ میر وزیر علی صبا مرحوم نے "دیکھا دکھبی۔ بیداد کبھی" اس طرح میں غزل لکھی اور خواجہ آتش مرحوم سے اصلاح لینے آئے۔ خواجہ صاحب کا عام قاعدہ اصلاح کا یہ تھا کہ شاگرد غزل پڑھتا جاتا تھا جو شعر بنانے کا ہوتا تھا بنا دیتے تھے اور جو شعر درست ہوتا اُس پر "ہوں" کہہ دیتے تھے۔ اور جو شعر زیادہ پسند آتا اسکی داد بھی دیتے۔ صبا مرحوم غزل سُنا رہے تھے۔ جب یہ شعر پڑھا ؎

فصل گل میں مجھے کہتا ہے کہ گلشن سے نکل ‌ ‌ ‌ ‌ ایسی بے پر کی اُڑاتا نہ تھا صیاد کبھی

اِس پر بھی حسبِ معمول خواجہ صاحب نے "ہون" کہکر ٹالنا چاہا۔ مگر میر صاحب نے کہا حضرت
مین نے یہ شعر خونِ جگر کھا کر کہا ہے مطلب یہ تھا کہ داد دیجئے۔ فرمایا پھر پڑھئے جب اُنھون نے
دوبارہ پڑھا۔ آپ نے کہا کہ پہلے مصرعہ کو یون بنا دیجئے ؎

پرِ کترِ کر مجھے کہتا ہے کہ گلشن سے نکل
ایسی بے پر کی اُڑا تا نہ تھا صیّاد کبھی

صبا کے مصرعہ اولی مین بے پر کی اُڑانے کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ اب ان دو لفظون کے
بدل جانے سے شعر مین کس قدر حسن پیدا ہو گیا۔ اور بے پر کی اُڑانے کا ثبوت مل گیا۔
سبحان اللہ کیا اصلاح ہے۔

لکھنؤ کے ایک بڑے مشاعرے مین حُسنِ اتفاق سے ناسخ و آتش معہ اپنے شاگردون
کے تشریف لائے میان مصحفی اُستاد آتش مرحوم سے بھی وعدہ تھا۔ مگر وہ ابھی مشاعرے مین
نہ آئے تھے مشاعرہ شروع ہوا اور ایک نوشق کم سن لڑکے نے ایک مطلع پڑھا وہ یہ تھا ؎

جس سے دہن سے مین کروں تقریر بول اُٹھے
مجھ مین کمال وہ ہے کہ تصویر بول اُٹھے

اس پر مشاعرے مین ایک قیامت برپا ہو گئی اور ناسخ مرحوم نے کئی بار اس مطلع کو پڑھوایا اور
خلافِ معمول بے حد داد دی۔ اِس لڑکے کے پڑھ لینے کے بعد مشاعرے مین میان مصحفی بھی
تشریف لائے۔ اہلِ بزم تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور صدر مین آپکو جگہ دی شیخ صاحب
نے اپنے دل مین یہ عزم کر لیا کہ جب اُستاد مصحفی کی باری آئے تو مین انکو نیچا دکھاؤن۔ چنانچہ
جب سب کے آخر مین شمع گردش کرتی ہوئی انکے سامنے آئی ناسخ نے کہا کہ اُستاد آپ کے
تشریف لانے سے قبل (لڑکے کی طرف اشارہ کر کے) اس لڑکے نے ایسا بے مثل مطلع پڑھا
جسکی تعریف مین زبان قاصر ہے مصحفی نے کہا کہ ہان میان پڑھا ہوگا۔ کہا کہ میری خواہش ہے کہ
آپ بھی سُن لین۔ یہ کہکر اشارہ کیا اور انکے ایک شاگرد نے شمع اُٹھا کر اس لڑکے کے سامنے رکھدی
اور شیخ صاحب نے لڑکے سے مخاطب ہو کر کہا کہ ہان میان اپنا مطلع ذرا اُستاد کو بھی سُنا دو۔ لڑکے
نے پھر وہی مطلع پڑھا۔ آتش مرحوم اپنے اُستاد کے آگے سے شمع اُٹھوا لینے پر آگ ہو گئے اور ناسخ

مخاطب ہو کر کہا کہ کیا اک غلط مطلع کی اس قدر داد دیجاتی ہے۔ تصویر کا بے دہن ہونا غلط ہے
اُسی وقت اس مطلع پر اصلاح دی اور لڑکے سے مخاطب ہو کر کہا کہ میان یون پڑھو ؎

جس بے زبان سے مین کرون تقریر بول اُٹھے
مجھ مین کمال وہ ہے کہ تصویر بول اُٹھے

آتش کی جودت طبع پر میان مصحفی مسکرائے اور ناسخ کو سخت ندامت ہوئی۔

میان جرأتؔ و فغانؔ و مظہر جانجاناںؔ

میان جرأت کو نواب محبت خان کے مختار نے ایک دفعہ جاڑون مین سرمائی کپڑون
کے دینے مین کچھ دیر کی آپ نے جھٹ یہ رباعی مختار صاحب کے سامنے پڑھی ؎

کہتے ہین جسے نوکری ہے ہیچ ارنڈ	مختاری پہ آپ نہ کیجیے گا گھمنڈ
تم کھاؤ گے گالیان جو ہم کھائینگے ٹھنڈ	سرمائی دلائیے ہماری ورنہ

فوراً بیچارے نے سب کپڑے بنواکے آپ کی نذر کئے۔

میان جرأت سے اور ظہور اللہ خان نوا سے کسی معاملہ مین بگاڑ ہو گیا تھا جرأت
نے اُنکی ہجو مین ایک ترجیع بند کہا اور حقیقت مین بہت خوب کہا جسکا ایک شعر ترجیع یہ ہے ؎

حضور بلبلِ بستان کرے نوا سنجی	ظہور حشر نہ ہو کیون جو کلچڑی گنجی

خان موصوف نے بھی اسکے جواب مین بہت کچھ کہا چنانچہ اُنکے ترجیع بند کا یہی ایک شعر اس
موقع پر لکھا جاتا ہے ؎

قدرتِ حق سے لگی ہی ہاتھ اندھے کے بٹیر	رات کو کہنے لگا جورو کے منہ پر ہاتھ پھیر

نواب اشرف علی خان فغان بذلہ سنجی و لطیفہ گوئی مین یکتائے زمانہ تھے۔ ایک
دن راجہ صاحب کے دربار مین غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا " لالیان اور جالیان "۔ سب سخن فہمون
نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت مین جگنو میان ایک مسخرے تھے اُنکی زبان سے
نکلا۔ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیان رہ گئیں۔ اُنھون نے ٹال دیا اور
کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب سنتے ہو! جگنو میان کیا کہتے ہین۔ اُنھون نے

کہاکہ مہاراج اس قافیہ کو مبتذل سمجھکر چھوڑ دیا تھا اور حضور فرمائین تو اب بھی ہو سکتا ہے۔
مہاراج نے کہا ہان کچھ کہنا تو چاہیے۔ اُنھون نے اُسی وقت پڑھا ؎

جگنو میان کی دُم جو چمکتی ہے رات کو
سب دیکھ دیکھ اُسکو بجاتے ہین تالیان

تمام دربار چمک اُٹھا اور میان جگنو مدھم ہوکر رہ گئے۔

مرزا جانجانان مظہر کے پاس ایک لڑکا غزل لیکر آیا کہ شاگرد ہو اور اصلاح لے
اُنھون نے کہا کہ اصلاح کے ہوش و حواس کسے ہین۔ لڑکے نے کہا کہ مین فقط بطور تبرک سعادت
حاصل کرنی چاہتا ہون۔ فرمایا کہ اس وقت ایک شعر خیال مین آیا ہے اسی کو لے جاؤ اور اسی کو اصلاح سمجھ لو

لوگ کہتے ہین مرگیا مظہر
فی الحقیقت مین گھر گیا مظہر

حکیم قدرت اللہ خان قاسم اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین کہ مرزا جان جانان مظہر
اپنے کلام مین اکثر اشعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مدح مین فرمایا کرتے تھے کسی سُنّی نے یہ حرکت کی ؎

نہ کرد مظہر ما طاعتے و رفت بخاک ۔ بخات خود بہ تولّائے بو تراب گذاشت

غالباً اسی کے جواب مین مرزا صاحب کا یہ شعر ہے ؎

ہون تو سُنّی پر علیؑ کا صدق دل سے ہون غلام
خواہ ایرانی کہو تم خواہ تورانی مجھے

مرزا احسن رضا خانؒ

مرزا احسن رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہر بنارس کے رئیس تھے عربی فارسی
کے منتہی تھے شاعری سے بھی طبیعت کو مناسبت تھی۔ اللہ کا دیا گھر مین سب کچھ تھا۔ مگر آپ
تارک الدنیا ہو گئے اور گھر سے علیحدہ ہو کر ۲ روپیہ کی مزدوری کر کے اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔
حالانکہ اعزہ اور احباب آپکو بہت روکتے تھے اور سمجھاتے تھے مگر آپ نہ مانتے تھے۔ آپ کے
ایک ہی لڑکا تھا جو حسن صورت مین آپ ہی اپنا جواب تھا۔ اُس نے بھی براہ سعادتمندی

بارہا اپنے باپ کو سمجھایا کہ یہ آپ کیا کرتے ہین۔ہم غلامی کے لئے حاضر ہین۔مکان پر تشریف لے چلیئے۔جسکا جواب اُنھون نے یہ دیا کہ یہ مال و دولت تمکو مبارک ہو میرے لئے تم پریشان نہو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔اِس غیرت دار نوجوان کو باپ کے اس کہنے کا کمال صدمہ ہوا اسی صدمہ سے وہ سخت بیمار پڑا۔لوگون نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپکا صاحبزادہ بیمار ہے۔مگر یہ دیکھنے بھی نہ گئے یہانتک کہ اسی غم مین اُس بیچارے کا عین شباب مین خاتمہ ہوگیا جس وقت لڑکے کے انتقال کا حال اُنھین معلوم ہوا۔الفت پدری جوش پر آئی اور دوڑے ہوے مکان پر گئے اُس نوجوان یوسف ثانی کی لاش پر جس گھڑی بہو بچے چادر اُٹھائی مُنہ دیکھا اور یہ شعر نہایت دردناک لہجے مین فرمایا ؎

بلبل تمام کیا ہوا موسم بہار کا
گل ہوگیا چراغ ہمارے مزار کا

تجہیز و تکفین مین شریک رہے بعد اُسکے پھر غائب ہوگئے اُس دن سے اُنکا پتہ نہ چلا کہان گئے۔

شیخ عبدالرحمن و میان ہُدہُد

ایک شخص عبدالرحمن نامی پورب کی طرف سے دلی مین آئے حکیم آغا جان عیش جو بادشاہی دخانداني طبیب تھے زیور علم ولباس کمال سے آراستہ۔صاحب اخلاق خوش مزاج۔شیرین کلام شگفتہ صورت طبیعت ایسی ظریف و لطیفہ سنج پائی تھی کہ جسے شاعری کی جان کہتے ہین ان سے ملے۔میان عبدالرحمن کو شد بُد سے زیادہ مادہ نہ تھا حکیم صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کچھ شعر کا بھی شوق رکھتے ہین۔مولوی صاحب نے کہا کہ ہان ہو سکتا ہے۔کیا مشکل بات ہے حکیم صاحب نے کہا کہ ایک جگہ مشاعرہ ہوتا ہے یہ طرح کا مصرعہ ہے آپ بھی غزل کہیئے تو مشاعرہ مین لے چلین وہ مشاعرہ کو بھی نہ جانتے تھے۔غرضکہ حکیم صاحب کے کہنے سے آپ غزل کہہ کر لائے تو سبحان اللہ۔اور مولوی صاحب ہی تخلص رکھا حکیم صاحب کی طبع ظریف کے مشغلہ کو ایک ایسا اُلّو مل گیا۔بہت تعریف کی غزل کو جابجا اصلاح دیکر خوب نمک مرچ ملایا۔مولوی صاحب بہت خوش ہوے حکیم صاحب نے کہا کہ شعرا کو تخلص بھی

ایسا چاہیئے۔ کہ ظریفانہ و لطیفانہ ہو اور خوشنما ہو۔ اور شان و شکوہ کی عظمت سے تاجدار ہو۔ بہتر ہے کہ آپ ہُدہُد تخلص کریں۔ حضرت سلیمان کا رازدار تھا۔ اور قاصد صبا رفتار تھا۔ مولوی صاحب نے بہت خوش ہو کر منظور کیا۔ مشاعرے کے دن جلسہ مین گئے۔ جب اُنکے سامنے شمع آئی تو حکیم صاحب نے چند فقرے انکی تعریف مین مناسب وقت فرمائے سب متوجہ ہوئے اُنھون نے غزل پڑھی تو مسخرون نے تالیان بجائین ظرافت سننے تو پیالیان اُچھالین اور قہقہون نے اتنا شور و غل مچایا کہ کسی کی غزل پر اتنی تعریف کا شور نہ ہوا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے۔ اب حکیم صاحب نے سوچا کہ انکے گذارے کے لئے کوئی نسخہ ضرور تجویز کرنا چاہیئے۔ ان سے کہا کہ بادشاہ کی تعریف مین ایک قصیدہ کہو تو مین ایکدن دربار مین لے چلین۔ دیکھو رزاق مطلق کیا سامان کرتا ہے قصیدہ تیار ہوا اور حکیم صاحب نے ہُدہُد کو اُڑا کر دربار مین پہونچا دیا۔ چند شعر اس قصیدہ کے تحفۂ احباب ہین ؎

جو تیری مدح مین مین اپنی چونچ وا کر دون — تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کر دون
جو آکے ریز کرے میرے آگے موسیقار — تو ایسے کان مروڑون کہ بے سُرا کر دون
جو سرکشی کرے آگے مرے ہُما آکر — تو اُسکے نوچ کے پر شکل نیولا کر دون

ظفر تو شاعر تھے خطاب عطا فرمایا۔ طائر الاراکین۔ ہُدہُد الشعرا۔ منقار جنگ۔ بہادر اور سات روپیہ ماہوار مقرر کر دیئے۔ انکی شاعری کی بنیاد قائم کر دی۔

ایک دفعہ **میان ہُدہُد** کی تنخواہ کو دیر ہو گئی۔ آپ نے اپنے استاد حکیم آغا جان عیش سے شکایت کی جس طرح امراض شکم کے علاج تھے اُسی طرح بھوک کے تدارک کا بھی نسخہ تھا ایک قطعہ راجہ دیبی سنگھ کی مدح مین موزون ہوا کہ اُن دنون تقسیم تنخواہ کا کام اُنہین کے سپرد ہوا تھا۔ میان ہُدہُد فرماتے ہین ؎

جہان مین آج دیبی سنگھ تو راجون کا راجہ ہے — خدا کا فضل ہے جو قلعہ مین تو اب براجا ہے
سلیمان نے ہی تیرے ہاتھ مین دی رزق کی کنجی — تو سردارون کا سردار اور مہاراجون کا راجہ ہے
شکم اہل جہان کے سب ہین شکر اسکے بجا لاتے — دمامہ تیرا جا کر گنبدِ گردون پہ باجا ہے
کسی کو شے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اسکا — مگر ہُدہُد کو دیدے کیون یہی ہُدہُد کا کھاجا ہے

اِس قطعہ کو سُن کر راجہ دیبی سنگھ نے میاں مبرہلی کی تنخواہ فوراً دیدی۔

مُلّا دوپیازہ

ملا دو پیازہ جسوقت دہلی کی ایک مسجد مین امامت کرتے تھے آپنے ایک مکتب قائم کیا تھا۔ لڑکون کو فقہ حدیث ودیگر علوم دینیات کی تعلیم دیا کرتے تھے انکی ظرافت وبذلہ سنجی وحاضر جوابی تو بچپن ہی سے بے انتہا بڑھی ہوئی تھی۔ انکے لڑکپن کی حالت یہ تھی کہ جس وقت آپنے مولوی عبدالرحمن صاحب سے بسم اللہ شروع کی تھی انکے اُستاد بیچارے یک چشم تھے۔ جب اُستاد نے ان سے کہا پڑھو الف خالی ب کے نیچے ایک نقطہ اور ت کے اوپر دو نقطے۔ توآپ پڑھتے ہین ب کے نیچے دو نقطے اور ت کے اوپر چار نقطے۔ اُستاد نے کہا نامعقول مین ایک اور دو نقطے کہتا ہون تو دو اور چار کہان سے لایا۔ ہونہار شاگرد نے جواب دیا کہ اجی اُستاد صاحب آپ تو ایک آنکھ سے دیکھ کر ایک اور دو نقطے کہتے ہین مجھے خدا نے دو آنکھین دی ہین اس لئے دو اور چار کہتا ہون۔ اسی طرح کا ملا صاحب کا ایک شاگرد عبدالجبار نامی لطائف وشوخی و شرارت مین انکا بھی ولی نکلا طبیعت بھی کسی قدر موزون تھی مُلا سے کہا کہ اُستاد غزل کہنے کو جی چاہتا ہے کوئی مصرعہ طرح عنایت ہو تو طبع آزمائی کرون۔ اُنھون نے یہ مصرعہ دیا۔ ع

شاہان چہ عجب گر بنوازند گدا را

سعادتمند شاگرد نے مندرجہ ذیل اشعار لکھے ؎

اُستاد کو میدان مین آج ہم نے پچھاڑا	چھاتی پہ چڑھے کود کے داڑھی کو اُکھاڑا
اُستاد کے مصرعہ پر لگاتے ہین گرہ ہم	شاعر ہمین کردیتے یا پیر بخارا
یہ طرفہ غزل ہم نے کہی مولوی صاحب	اصلاح سے دل کیجئے خورسند ہمارا

پہلی ہی غزل پر مین ہوا داد کا خواہان

شاہان چہ عجب گر بنوازند گدا را

ملا صاحب یہ غزل سُن کر نہایت چین بجبین ہوئے بظاہر تو کچھ نہ کہا مگر دل مین کہتے تھے کہ واقعی جائے اُستاد خالی است۔ یہ تو اب ہمارے بھی کان کترنے لگا۔ آخر غصے کو ضبط کیا اور فرمایا

غزل تو بہت اچھی کہی ہے اصلاح کی کوئی ضرورت نہین مگر ایک شعر کی کمی ہے وہ ہم خود لکھے دیتے ہین چار شعر کی غزل مین یہ ایک شعر اور زائد کر دیا ؎

یہ طرفہ غزل لائے ہو اُستاد کے آگے
صد لعنت و پھٹکار چنین ذہن رسا را

شاہ نصیر مرحوم

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شاہ نصیر صاحب ایک میلے مین تشریف رکھتے تھے اور ان کے شاگرد بھی ہمراہ تھے کوئی رنڈی سامنے سے نکلی سر پر اودی رضائی تھی اور وسمہ کی چمک عجب لطف دکھاتی تھی - ایک شاگرد نے فرمایش کی - آپ نے فرمایا ؎

اودی وسمہ کی نہین تیری رضائی سر پر
مہ جبین رات ہے تارون بھری چھائی سر پر

ایک دفعہ کئی بادشاہی گانوٗن سرکش ہو گئے - شاہ نظام الدین شاہ کہ شاہ جی مشہور تھے اور دربار مین مختار تھے فوج لیکر گئے اور ناکام پھرے انکی مختاری مین بادشاہی نوکرون نے تنخواہ کی تکلیف پائی تھی - اس پر بھی شاہ نصیر نے ایک نظم لکھی جسکا مطلع یہ تھا ؎

کیا پوچھتے ہو یار و بیٹھے تھے زہر کھائے
شکر خدا کہ یار سے پھر شاہ صاحب آئے

عیسیٰ خان اور موسیٰ خان دو بھائی دلی مین تھے مال و دولت کی بابت دونون مین کچھ جھگڑا ہوا - عیسیٰ خان ناکام ہوئے - موسیٰ خان نے کچھ عدالت کے زور سے کچھ حکمت عملی سے سارا مال مار لیا - شاہ نصیر صاحب نے بطور ظرافت چند شعر کا قطعہ کہا ایک مصرعہ نذر ناظرین ہے کیونکہ وہی قطعہ کی جان ہے - لطف یہ کہ دونون شاعرون کے تخلص آفاق و شہرت تھے - ع

ہوئی آفاق مین شہرت کہ عیسیٰ خان کا گھر موسا

دلی مین ایک منشی ہندو تھے بخیا نامی طوائف کی محبت مین مسلمان ہو گئے - شاہ نصیر فرماتے ہین ؎

جس طرف تو نے کیا ایک اشارا نہ جیا   بخیا آہ تری چشم کا مارا نہ جیا

حضرت سلطان بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ ظفر کہ جن سے خاندان مغلیہ کا خاتمہ ہوا - بہت مشہور روایت ہے کہ جب انکو تخت شاہی سے اُتار کرلے جانے لگے ہین - ہائے کیا بُرا وقت تھا بادشاہ پر رخصتی کا مایوسانہ الم چھا رہا تھا ہر در و دیوار کو حسرت بھری نگاہون سے دیکھتے جاتے تھے - صرف ایک سکوت تھا جو کسی صدمہ جانکاہ کی خبر دے رہا تھا - محل سے نکلتے وقت بیساختہ آپکی زبان مبارک سے نہایت دردناک لہجے مین یہ شعر نکلا ؎

بلبل نے آشیانہ چمن سے اُٹھا لیا

اُسکی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

ہائے اسکے ایک ایک لفظ سے کیسی حسرت ٹپک رہی ہے - خدا دشمن کو بھی یہ وقت بد نہ دکھائے

حضرت سلطان المشائخ

منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین احمد بدایونی قدس سرہٗ العزیز رحلت فرمانے سے پہلے اکثر یہ مصرعہ بار بار فرماتے تھے ع

"می رویم و می رویم و می رویم"

سلطان عالم واجد علی شاہ اختر

یہ شعر حضرت واجد علی شاہ اختر کا بہت مشہور ہے کہ جس وقت آپ نے لکھنؤ کو خیرباد کہا ہے چلتے وقت آپکی زبان مبارک سے یہ شعر نہایت مایوسانہ لہجے مین نکلا تھا کہ جسکا ایک ایک لفظ اُس نازک وقت کی تصویر کھینچ رہا ہے کہ جب اپنے وطن سے جدا ہوتے تھے شعر یہ ہے ؎

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہین

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہین

حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ اختر کی نسبت روایت ہے کہ مقام مٹیابرج مین

جب آپ کا آخیر وقت تھا آپ تکلیف نزع سے کراہتے تھے اُس وقت کل بیگمات محلات شاہی سے نکل کر آپ کے سرہانے آگئیں تھیں سبھون نے ہمزبان ہو کر کہا کہ حضرت شگون بد ہے۔ آپ کراہیں نہ۔ اِس تکلیف شدت نزع مین رنگینی مزاج و حاضر جوابی نہ گئی تھی بیساختہ آپکی زبان سے یہ شعر نکلا ؎

آہ کرنے سے تو سب لوگ خفا ہوتے ہین

اے نسیم سحری ہم تو ہوا ہوتے ہین

یہ کہا اور آپ کی روح قالب خاکی سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

آفتاب الدولہ قلق

حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ کے غسل صحت مین بڑے دھوم دھام کا جلسہ ایک مرتبہ ہوا۔ شعراء وقت نے بڑے زور زور مین قصیدے لکھے۔ حاضرین دربار مین منشی مظفر علی اسیر و خواجہ اسد اللہ قلق بھی موجود تھے۔ ان لوگون نے بھی قصیدے پڑھے بادشاہ نے حسب دستور قصیدون کو قبول فرما کر خلعت و زر سے ان لوگون کو مالا مال کر دیا۔ اُس وقت تک جناب قلق مرحوم کو کوئی خطاب سرکار سے نہین ملا تھا۔ یہ ہمیشہ اسی موقع کے منتظر رہا کرتے تھے بعد عطاء خلعت و زر کے اُنھون نے بادشاہ سے دست بستہ عرض کی کہ ایک شعر بدیہی ہو گیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو پڑھون۔ بادشاہ نے نہایت خندہ پیشانی سے اِن کو پڑھنے کی اجازت دی۔ قلق مرحوم نے یہ شعر پڑھا ؎

خلعت و زر سے تو ہر طرح سنوارا جاؤن

الٰہی محفل مین قلق کہہ کے پکارا جاؤن

اُسی وقت اُس نصفت مزاج بادشاہ نے انکو آفتاب الدولہ کا خطاب عطا فرمایا۔

حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ ایکدن شام کے وقت قیصر باغ مین ٹہل رہے تھے۔ جلو مین جناب آفتاب الدولہ بہادر قلق بھی موجود تھے۔ اتفاقیہ بادشاہ کا دامن چنبیلی کے درخت سے اٹک گیا زبان سے بیساختہ نکل گیا ع

اے سیم بدن دن مین بھلا تجھ کو مین کیا دون

قلق سے کہا اِس مصرع پر مصرعہ تو لگاؤ۔ اُنھون نے بھی فوراً یہ مصرعہ لگایا ؎

اے سیم بدن دن مین بھلا تجھکو مین کیا دون
شب ہونے دے نسخہ تجھے سونے کا بتا دون

بادشاہ نہایت خوش ہوے۔

جناب راسخ صاحب

راسخ عظیم آبادی نہایت اچھا کہتے تھے پُرانے مشاق تھے ادھر کے لوگ انکو استاد مانتے تھے۔ جب مرزا سودا کے پاس شاگرد ہونے کو آئے آپ نے کہا کہ کوئی شعر سنائیے اُنھون نے یہ شعر پڑھا ؎

ہوے ہین ہم ضعیف اب دیدنی رونا ہمارا ہے
پلک پر اپنے آنسو صبح پیری کا ستارا ہے

آپ نے اُٹھ کر گلے لگالیا۔

جناب خواجہ وزیر صاحب وزیر

خواجہ وزیر مرحوم وزیر لکھنوی شاگرد رشید ناسخ کی نسبت بھی یہ سُنا جاتا ہے کہ عین حالتِ نزع مین جبکہ اعزہ و احباب کا مجمع تھا اُنھون نے اُس حالت مین مرنے سے ایک گھنٹہ پیشتر ایک شعر پڑھا تھا وہ بے نظیر شعر یہ ہے ؎

خوب آگئی اے موت تری عمر بڑی ہے ۔ بیمار محبت نے ابھی یاد کیا تھا

پنڈت دیا شنکر نسیم

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی مشاعرے مین پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی اور شیخ ناسخ مرحوم

له یہ واقعہ خواجہ صاحب مرحوم کے ایک شاگرد محمد تقی سے راقم کو معلوم ہوا

بھی موجود تھے - شیخ صاحب نے نسیم سے مخاطب ہو کر کہا کہ پنڈت جی ایک مصرع کہا ہے دوسرا مصرع نہین ہوتا کہ پورا شعر ہو جائے - اُنہون نے جواب دیا کہ فرمایئے ناسخ نے مصرع پڑھا

ع - شیخ نے مسجد بنا مسمار بتخانہ کیا

اُن کے مُنہ سے یہ مصرع نکلنے کی دیر تھی کہ یہان دوسرا مصرع تیار تھا ع

تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا

اس مصرع کا سُننا تھا کہ حاضرین جلسہ پھڑک اُٹھے اور ہر طرف سے نعرہائے تحسین و آفرین بلند ہوگے

اسی طرح ایک مشاعرے مین ایک شخص نے ایک شعر پڑھا جسکا دوسرا مصرع یہ تھا ع

جانب ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہین

پہلا مصرع کچھ بے ساختہ نسیم کے مُنہ سے بیساختہ نکل گیا کہ دوسرا مصرع تو خوب ہے لیکن پہلا مصرع ٹھیک نہین - وہ صاحب بھی کچھ جلے تن تھے اُنکے کان تک یہ بات پہونچی تھی کہ جھلا کر بول اُٹھے کہ اچھا آپ ہی اِس سے بہتر مصرع کہ دیجئے نسیم نے اُسیوقت دوسرا مصرعہ موزون کرکے سُنادیا

ے بیرہ دل کی بزم مین جام شراب آتا نہین
جانب ظلمات ہرگز آفتاب آتا نہین

نسیم کی مشاعرہ مین دھاک بیٹھ گئی اور وہ بیچارہ ذلیل ہو گیا -

ایک مشاعرہ مین نسیم لکھنوی نے یہ مطلع پڑھا ے

منت دلا کسی کی نہ اصلا اُٹھایئے
مرجایئے نہ ناز مسیحا اُٹھایئے

خواجہ آتش مرحوم بھی اِس مشاعرہ مین موجود تھے اپنے شاگرد کی بہت تعریف کی اور کہا کہ میرا مطلع اسکے آگے گرد ہے - اِس موقع پر خواجہ صاحب کا بھی مطلع لکھے دیتا ہون ے

جان بخش لب سے عشق مین ایذا اُٹھایئے
بیمار ہو کے ناز مسیحا اُٹھایئے

ایک روز خواجہ آتش مرحوم کے یہان شاگردون کا جمگھٹا تھا - رند صبا - خلیل - نسیم وغیرہ بیٹھے ہوے تھے - صبح کا سہانا وقت برسات کا پیارا موسم مینھ برس رہا تھا عجیب کیفیت

تھی - کالی کالی گھٹائین دیکھکر کچھ ایسی طبیعتین مست ہوئین کہ شاگردون نے آتش سے فرمایش کی کہ اُستاد اس وقت ایک غزل کہہ ڈالیئے - گو کہ آتش کا دل بجھا ہوا تھا لیکن طبیعت مین جوانی کا زور بھرا ہوا تھا فی البدیہہ یہ اشعار موزون کرنے شروع کر دیئے اور کہا کہ لکھتے جاؤ جس غزل کا مطلع ہے - جناب آتش فرماتے ہین ؎

مطلع

دہن پر ہین اُن کے گمان کیسے کیسے
کلام آتے ہین درمیان کیسے کیسے

وہ اسی موقع کی کہی ہوئی ہے نسیم کی طبیعت بھی جوش بہار سے لہرائی ہوئی تھی - اُنھون نے اشعار دن کی تخمیس کرنی شروع کر دی جتنی دیر مین خواجہ صاحب دوسرا شعر سوچتے تھے یہ اُنکے پہلے شعر پر تین مصرعے لگا چکتے تھے اور بعض بعض مصرعہ تو واقعی اس انداز سے لگائے ہین کہ اگر کوئی برسون فکر مین سر بگریبان رہے تو اس سے بہتر مصرعہ نہین لگا سکتا - آتش مرحوم کے دو شعرون کی تخمیس تمثیلاً لکھی جاتی ہے ؎

نہ خرقی کفن ہین نہ گھائل ہوئے ہین | نہ زخمی بدن ہین نہ بسمل ہوئے ہین
لہو مل کے کشتون مین داخل ہوئے ہین | تمہارے شہیدون مین داخل ہوئے ہین
گل و لالۂ و ارغوان کیسے کیسے

کوئی جانتا ہے کسی کو خبر ہے | کہ پردہ مین کون اے صنم جلوہ گر ہے
کہین کچھ خیال اور کہین کچھ نظر ہے | دل و دیدۂ اہل عالم مین گھر ہے
تمہارے لئے ہین مکان کیسے کیسے

نسیم آنجہانی نے مرنے کے دو تین گھنٹے پیشتر یہ شعر کہا تھا ؎

پہونچی نہ راحت ہم سے کسی کو بلکہ اذیت کوش ہوئے -
جان پڑی تب بارِ شکم سے تھے مرکے وبالِ دوش ہوئے

سید محمد خان صاحب رند

جس زمانہ مین نواب سید محمد خان رند کا کمالِ سخن لکھنؤ مین شہرت عام پا چکا تھا اور داہ واہ اور سبحان اللہ کے نعرون سے انکے ہر شعر اور ہر مصرع کا استقبال کیا جاتا تھا اُنھون نے ایک غزل لکھی جسکا مطلع ہے ؎

پھر لہو سُرخ ہوا جسم مین کالا ہو کر
رہ گیا اب کی برس پھر مجھے سودا ہو کر

اور اس غزل مین ایک شعر یہ لکھا ؎

اگری کا ہے گمان شک ہے ملاگیری کا
رنگ لایا ہے ڈوپٹا تیرا میلا ہو کر

فخریہ اُستاد کے پاس غزل لے گئے اور عرض کیا کہ اس زمین مین " میلا " کا قافیہ دشوار ہے جیسا اِس نیازمند نے باندھا اس سے بہتر ممکن نہین - آتش بھی زمانہ دیکھے ہوے تھا اور اپنے اُستاد مصحفی سے " کفن بگڑا - دہن بگڑا " کے معرکہ مین جسکو ہم پچھلے صفحون مین لکھ آئے ہین - ایسی ہی حجت کر چکا تھا - سمجھ گیا کہ حوصلہ مند شاگرد کے دل مین اب کچھ ولولۂ اُستادی پیدا ہو چلا ہے - اس لئے اُس وقت تو چپ ہو رہا - مگر بعد کو دوسرے عزیز شاگرد کی غزل مین وہی قافیہ یون باندھا - فرماتے ہین -

شعر

بلبلِ کشتہ کو صیاد کفن کیا دیتا
پیرہن گل کا نہ اُترا کبھی میلا ہو کر

اُلوالعزم شاگرد کے شیشۂ دل پر چوٹ تو ضرور لگی مگر یہ اُسکی سعادتمندی تھی کہ نہ اس صدمہ کو زبان پر لایا اور نہ آتش کی سنت ادا کرنے کے لئے اپنے اُستاد سے بگڑ کر خود کوس اُستادی بجانے لگا -

میر ببر علی صاحب انیس

جس طور سے میان مصحفی و انشا مین چوٹین چلا کرتی تھین اُسی طور سے مرزا دبیر و میر انیس صاحب کی حالت تھی ان سے اور اُن سے تو ظاہرا اس قدر عداوت و دشمنی تھی کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ لکھنؤ مین دو فریق انیسئے و دبیرئے مشہور تھے۔ مگر جب میر انیس صاحب کا اخیر وقت ہوا کسی نے مرزا صاحب سے بھی کہا کہ اب میر صاحب کی امید زیست نہین معلوم ہوتی۔ حالت سنتے ہین کہ بہت غیر ہو گئی اُس نے مرزا صاحب کے خوش ہونے کو یہ جملہ کہا تھا۔ مگر آپ کو کمال صدمہ ہوا اور فوراً میر صاحب کے دولتکدے پر عیادت کے لئے تشریف لائے۔ اور یہان میر صاحب وہی چار گھڑی کے اور مہمان تھے۔ جب مرزا صاحب پہونچے اُنھون نے حال دریافت فرمایا اور پوچھا کہ مزاج کیسا ہے اس وقت میر صاحب نے ایک آہ سرد بھری اور یہ شعر فرمایا ؎

آخر ہے عمر زیست سے دل اپنا سیر ہے
پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے

مرزا صاحب کی آنکھون سے آنسو نکل پڑے اُسی شب کو آپکی روح نے قالب خاکی سے پرواز کیا۔ میر صاحب کے بعد پھر مرزا صاحب نے مرثیہ گوئی بالکل ترک کر دی۔

میر انیس مرحوم ایک مرتبہ مرثیہ مین وہ روایت نظم کر رہے تھے کہ جناب امام عالی مقام عالم طفولیت مین سواری کے لئے ضد کر رہے تھے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرط محبت سے ارشاد فرمایا کہ کیون غمگین ہوتے ہو ہم تو تمھارے اونٹ بننے کے لئے موجود ہین۔ اِس موقع پر ٹیپ کا مصرعہ مصرعۂ ثانی کہہ چکے تھے۔

اچھا سوار ہو جیئے ہم اونٹ بنتے ہین

مصرعۂ اولی کی تلاش تھی جیسا جی چاہتا تھا برجستہ نہ ہوتا تھا انکے والد میر خلیق مرحوم بھی گھر مین تشریف رکھتے تھے انکو غور و فکر مین دیکھ کر پوچھا کہ کیا سوچ رہے ہو۔ اُنھون نے مضمون بیان کیا اور جو مصرعے خیال مین آئے تھے پڑھے فرمایا کہ مصرعہ لگاؤ و ذرا زبان کی لطافت دیکھو ؎

جب آپ روٹھتے ہین تو مشکل سے منتے ہین

اچھا سوار ہو جئے ہم اونٹ بنتے ہین

انھون نے قلم اُٹھاکر فوراً لکھ لیا اور جھک کر تسلیم کی۔

میر انیس مرحوم کی نسبت یہ روایت لکھنؤ مین بہت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ایک مرثیہ مین شیرین کی زبانی یہ دعائیہ مصرعہ کہہ چکے تھے۔

یارب رسول پاک کی کھیتی ہری رہے

دوسرے مصرعہ کی فکر مین تھے جیسا جی چاہتا تھا ویسا برجستہ مصرعہ نہ ہوتا تھا۔ اسی اثنا مین میر نفیس مرحوم کی والدہ یعنی (میر صاحب کی بیوی) وہان تشریف لائین اور میر صاحب کو فکر مین دیکھ کر پوچھا کہ کیا سوچ رہے ہو۔ آپ نے یہ مصرعہ پڑھا کہ اسکے دوسرے مصرعہ کی فکر مین پڑے ہون۔ یہ سُنا تھا کہ ان کی زبان سے بیساختہ نکل گیا کہ یہ مصرعہ لگا دیجئے۔ میر نفیس کی والدہ ماجدہ فرماتی ہین ؎

صندل سے مانگ بچون سے گودی بھری رہے

میر صاحب نے یہ مصرعہ فوراً لکھ لیا اور اب یہ شعر

یارب رسول پاک کی کھیتی ہری رہے

صندل سے مانگ بچون سے گودی بھری رہے

زبان کی لطافت اور محاورے سے مالامال ہو گیا۔

میر انیس کے زمانے مین کچھ اور بھی مرثیہ گو شاعر ایسے تھے کہ انکے مقابلے مین مرثیہ کہتے تھے اور چوٹین کرتے تھے اُنہی بزرگوارون مین سے ایک صاحب میر محب علی صاحب سلیس اکبرآباد مین مُدرس تھے۔ جو علم کے ساتھ زبان و طبیعت بھی سلیس و سلیم رکھتے تھے انکو خیال تھا کہ میر انیس کا مین مدمقابل ہون۔ میر انیس نے "جوان کر دیا۔ نہان کر دیا" اس طرح مین ایک سلام لکھا جسکا مقطع یہ تھا ؎

نوا سنجیون نے تری اے انیس

ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا

جب جناب سلیس اکبرآبادی کے پاس یہ سلام پہونچا تو اُنہون نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ مین اکثر تضمین کیا کرتا ہون یہ چوٹ میر صاحب نے مجھ پر کی۔ اِس مقطع کی تضمین کی اور ڈاک کے ذریعہ سے میر صاحب کے پاس لکھکر بھیجدیا وہ مصرعے یہ تھے۔ جناب میر محبّ علی صاحب فرماتے ہین

تضمین

نہ مونس کی باتین تھین ایسی نفیس　　نہ تھی انس کی نظم اتنی سلیس

یہ سچ ہے بقول انیس اے سلیس　　نوا سنجیون سنے تری اے انیس

ہر اک زاغ کو خوش بیان کردیا

جب میر صاحب کو یہ نسخہ پہونچا ایک نظر دیکھکر چُپ ہو گئے۔ وہ کوہ علم و وقار ایسی ایسی باتون کی کب پرواہ کرتے تھے۔

ایک شاہی مجلس مین مرزا دبیر و میر انیس مرحوم دونون فلک مرثیہ گوئی کے آفتاب و ماہتاب مدعو تھے۔ حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ کا زمانہ تھا۔ پہلے مرزا صاحب کو پڑھنے کا حکم ہوا یہ ممبر پر تشریف لے گئے اور اُنہون نے بیٹھتے ہی ایک رباعی بادشاہ کی تعریف مین پڑھی جسکو سامعین نے بڑی دلچسپی سے سُنا اور واہ واہ اور سبحان اللہ کی آوازون سے عالیشان کمرہ گونجنے لگا تمام مجلس بھی ہوا۔ ان کے بعد میر انیس کو پڑھنے کا ارشاد ہوا۔ میر صاحب کچھ لیکر نہ گئے تھے میر مونس سے پوچھا کچھ لائے ہو۔ اُنہون نے ایک سلام اور مرثیہ پیش کیا اُسکو دیکھا اور فی البدیہہ یہ ایک مطلع تصنیف کیا اور ممبر پر تشریف لے گئے۔ میر مونس کا سلام اُس وقت کے مشاعرہ کی طرح پر تھا۔ جسکا ردیف و قافیہ ہے گلستان ہوکر۔ بیابان ہوکر۔

ممبر پر جاکر اپنی عادت کے موافق تھوڑی دیر چُپ بیٹھے رہے جب تمام مجلس اُنکی جانب متوجہ ہوئی تو جناب امیر علیہ السّلام کی مدح مین ایک رباعی پڑھی چارون طرف سے آفرین و مرحبا کا شور بلند ہوا۔ ازان بعد سلام شروع کیا جسکا وہ فی البدیہہ مطلع یہ ہے

مطلع سلام

غیر کی مدح کرون شہ کا ثناخوان ہوکر

مجرئی اپنی ہوا کھوؤن سُلیمان ہوکر

اِس مطلع کا سُننا تھا کہ معنی فہم طبیعتین اداے کلام کے مزے لینے لگین اور میر انیس کے انداز بیان سے نے اہل مجلس کو محو کر دیا اور رزم بزم دونون کا حق ادا کر کے ممبر سے اُترے ۔

ایک مرتبہ آپکے معاصرین مین کچھ چشمکین پیدا ہو گیئن جناب میر صاحب نے ایک رباعی ارشاد فرمائی وہ رباعی یہ ہے ملاحظہ ہو

رباعی

ہر عیب سے آپ کو مبرا تو کرے	ہمسے کوئی اہل کبر و غرا تو کرے
پہلے صاف اپنا روز مرّہ تو کرے	کیا فاختہ بجلشگی بھلا بلبل سے

مرزا سلامت علیصاحب دبیر

مرزا دبیر کا عالم جوانی تھا اور شاعری کی بھی جوانی تھی جس وقت یہ مرثیہ لکھا ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

بڑی شہرت ہوئی بلند وار تمہید سے چہرہ باندھا رزمیہ اور بزمیہ مضامین پر زور طبع دکھا دیا ۔ تازہ ایجادیہ کی کہ لشکر شام سے ایک بہادر پہلوان تیار کر کے میدان مین لائے اُسکی ہیبت ناک بدصورت کی آن بان اسکے اسلحہ جنگ اُنکے خلاف قیاس مقادیر و وزن سے طوفان باندھے ۔ اسمین علاوہ معمولی سامعین کے سخن فہم و اہل کمال اشخاص کو خاص طور پر اطلاع دی گئی ۔ روز معہود پر ہجوم خاص و عام ہوا ۔ طلب کی تحریکین اس اسلوب سے ہوئی تھین کہ خواجہ آتش باوجود پیرانہ سالی و آزادی کے تشریف لائے ۔ مرزا صاحب ممبر پر تشریف لے گئے مرثیہ شروع ہوا ۔ سب لوگ بموجب عادت کے تعریفون کے غل مچاتے رہے گریہ و بکا بھی خوب ہوا ۔ خواجہ صاحب خاموش سر جھکائے دو زانو بیٹھے جھومتے رہے ۔ مرزا صاحب مرثیہ پڑھکر ممبر سے اُترے جب دونون کے جوش دھیمے ہوے تو خواجہ صاحب کے پاس جا بیٹھے ۔ اور کہا حضرت ! جو کچھ مین نے عرض کیا آپ نے سُنا ۔ فرمایا ہون بھئی سُنا ۔ انہیں اتنی بات پر قناعت کب تھی ۔ پھر کہا کہ آپ کے سامنے پڑھنا تو گستاخی ہے لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا ۔ انہون نے فرمایا و بھئی سنا تو سہی ۔ مگر سوچتا ہون کہ یہ مرثیہ تھا یا لندھور بن سعدان کی داستان "۔ (واہ رے اُستاد کامل اتنے سے فقرہ مین عمر بھر کے لئے اصلاح دے گئے ۔)

لشکر حمود بن سعدان کی خلاف عقل طاقتین اور فوق العادت اگاوز و ریان امیر حمزہ کے قصہ کی شان و شکوہ اس طرح بڑھاتے ہین کہ رستم و اسفندیار شاہنامہ کے صفحون مین مُنھ چھپا لیتے ہین

مالک الدولہ صولت و جناب برق

مالک الدولہ صولت مرحوم کو تاریخ گوئی مین خاص ملکہ تھا۔ اپنے مرنے کی تاریخ خود لکھی ہے جسمین اپنے خاتمۂ نسل پر اظہار تاسف کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

بعد ہمارے سے نہین باقی نشان — نام ہوا جد و پدر کا تباہ

مرض الموت مین صولت لکھے — خاتمۂ نسل ہوا حیف آہ

مالک الدولہ صولت برق کے بھتیجے تھے برق ناسخ کے شاگرد رشید تھے۔ صولت نے تاریخ کے علاوہ ایک دعائیہ رباعی بھی مرض الموت مین کہ جہان پناہ کے ملاحظہ کو بھیجی تھی وہ یہ ہے

رباعی

یارب یہ بادشاہ ہو کشور کا — اقبال ہو دارا کا حشم قیصر کا

تا قایم و مہر مین رہے اسکا دور — یون اوج گزین ستارہ ہو اختر کا

اور وقت آخر بادشاہ کو اس طرح وداع کیا ؎

آخر سنجھے صولت نے دم جانبازی

اللہ و پیمبر کی حفاظت مین دیا

ان کے چچا فتح الدولہ بہادر برق اُستاد جلال مرحوم نے بھی وقت آخر بادشاہ کو ایک مطلع لکھکر بھیجا تھا ؎

برق جو مُنہ سے کہا تھا وہی کرکے اُٹھے

جان دی آپکے دروازے سے مرکے اُٹھے

مولانا علی حیدر طباطبائی نظم ایک مضمون مین لکھتے ہین حقیقت امر یہ ہے کہ اس خاندان کے لوگون کو بادشاہ کے ساتھ۔ اور بادشاہ کو اس خاندان کے ساتھ خاص محبت تھی۔

حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۹ء مین جب حضور نظام بغرض سیر و تفریح بنارس تشریف لائے تھے اُموقت جناب منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی مرحوم نے ایک جلیل القدر قصیدہ لکھکر حضور کی خدمت مین پیش کیا تھا۔ اور امیر اللغات جسکو آپ کا سرمایۂ عمر کہنا چاہیئے اُسکو بھی نذر کیا حضور نظام نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ پسند فرمایا اور متانت شاہانہ کے ساتھ آپکی نازک خیالی اور قادر الکلامی کی داد دے کر فرمایا کہ اگر مولانا آپ حیدر آباد تشریف لاتے تو مجھکو کمال خوشی ہوتی اُسکے تھوڑے دن کے بعد آپ نے رامپور سے حیدر آباد کا عزم کیا چلتے وقت جو نعتیہ غزل آپ نے لکھی تھی اُس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ خاندانی ورثہ بھی آپکے حصے مین آیا تھا۔ یہ تو سب صاحبون کو معلوم ہے کہ آپ ایک بہت بڑے بزرگ حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب کے خاندان سے تھے۔ اس غزل کے چند شعر اس قدر پر نذر ناظرین بلاحظہ ہون

اشعار

اب کہان چین خبر دی مرے جی نے مجھ کو	کہ مدینے مین بلایا ہے نبیؐ نے مجھ کو
ہے یقین راہ مین مل جائین گے جبریل امین	سب بتادین گے زیارت کے قرینے مجھ کو
اب ٹھہرون جو خوشامد بھی کرے میری وطن	کہ پکارا ہے غریب الوطنی نے مجھ کو

اخیر کے مصرعہ سے آپکا مادۂ تاریخ وفات بھی نکلتا ہے۔

غرضکہ آپ رامپور سے چل کر حیدر آباد پہونچے۔ حضرت داغ مرحوم آپ کے پُرانے دوست تھے۔ مدتون رامپور مین ساتھ رہا۔ انکو حضرت امیر کے آنے سے نہایت خوشی تھی۔ خود سامان دعوت و تیاری مکان مین ہمہ تن مصروف تھے۔ غرض منشی صاحب موصوف حیدر آباد پہونچے مگر جاتے ہی مرض الموت نے دامن آپکا لیا۔ جہان تک ممکن تھا بہت علاج کیا گیا مگر افسوس موت نے نہ چھوڑا۔ جس وقت روح نے قالب خاکی سے پرواز کیا جس مکان مین آپ مقیم تھے تمام گھر خوشبو سے معطر تھا۔ جب حضرت داغ کو معلوم ہوا۔ کلیجا تھام کر

رہ گئے - اُس وقت اُنکی زبان سے بیساختہ یہ شعر نکلا ؎

خاک اس سے عشق نے چھنوائی تھی
دشت مین مجنون کی مٹی لائی تھی

بندۂ اثم نے بھی مصرعۂ تاریخ یہ لکھا تھا -

"ہو ہو جہان سے آج خدائے سخن اُٹھا"

حضرت جلال مرحوم لکھنوی

ایک مرتبہ رامپور کے مشاعرے مین فصیح الملک حضرت داغ مرحوم نے یہ مطلع پڑھا ؎

یہ تری چشم فسونگر مین کمال اچھا ہے
ایک کا حال بُرا ایک کا حال اچھا ہے

مشاعرے مین بہت داد دی گئی - مگر جلال مرحوم نے تعریف کرنے مین کمی کی - اور جب انکی باری آئی تو ذیل کا شعر پڑھا جسکی بیحد تعریف ہوئی - جلال مرحوم فرماتے ہین ؎

دل مرا آنکھ تری دونون ہین بیمار مگر
ایک کا حال بُرا ایک کا حال اچھا ہے

اب اہل نظر خود دیکھ بھال لین گے کہ کس نے مصرعہ اچھا لگایا - اِس مین شک نہین کہ جلال مرحوم نے فطرتاً سُلجھی ہوئی بیحد صاف طبیعت پائی تھی -

جلال مرحوم نے ایک مرتبہ رامپور کے مشاعرے مین ایک شعر پڑھا مولانا عبدالحق مرحوم منطقی خیرآبادی کو وجد آگیا جھوم اُٹھے - اور بے اختیار آنسو آنکھون سے جاری ہو گئے فرمایا ہے ؎

حشر مین چھپ نہ سکا حسرتِ دیدار کا راز
آنکھ کم بخت سے پہچان گئے تم مجھ کو

سبحان اللہ کیا با اثر شعر ہے - کس مزے کی بلاغت ہے - راز حسرت دیدار چھپانے کی

انتہائی حد دکھائی ہے۔ عمر بھر حسرت چھپائی۔ وقت مرگ بھی افشائے راز نہ ہونے دیا لیکن مقام حشر جو آخری دیدار کی جگہ ہے وہاں حسرت دیدار کا راز کسی طرح چھپائے نہ چھپ سکا۔

آنکھ کم بخت سے پہچان گئے تم مجھ کو

نواب میر اصغر حسین صاحب فاخر کے یہاں مشاعرہ تھا ؎

فاخر! ہمارے گھر پہ وہ آکر پلٹ گئے

مصرعہ طرح تھا۔ استادوں نے زور دیکر غزلیں کہیں تھیں۔ لیکن جلال مرحوم کا ایک شعر مشاعرے بھر سے علیحدہ رہا۔ بیحد تعریف ہوئی۔ شعر یہ تھا ؎

لو امتحان تم میرے نالوں کا شوق سے
کیوں ڈر کے آسمان کے نیچے سے ہٹ گئے

مرحوم کو بندش کی صفائی میں کوشش کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی تھی بلکہ صفائی خود ہی بندش مضامین کے ساتھ ساتھ ہوتی تھی۔ ایک قیامت کا مطلع کہا ہے۔ جو عمر بھر ہمارے دلوں سے فراموش نہیں ہوسکتا۔ ملاحظہ ہو ؎

یہ کہہ کر کروٹیں شب کو ترے ناکام لیتے تھے
وہ دل کیا ہوگیا رہ رہ کے جسکو تھام لیتے تھے

آپکی باثر شاعری سے ہر دل اثر پذیر ہو سکتا ہے۔ اس انداز بیان کا کیا کہنا۔

عبد اللہ خان صاحب اوج

راجہ چیت سنگھ برادر راجہ کرم سنگھ رئیس پٹیالہ جو دہلی میں رہتے تھے انکی سخاوتیں شہر میں مشہور تھیں وہ ایک دن مصاحبوں کے ساتھ سر راہ کوٹھے پر بیٹھے تھے۔ اتفاقیہ مومن خان کا ادھر سے گذر ہوا۔ لوگوں نے کہا مومن خان صاحب شاعر یہی ہیں۔ راجہ صاحب نے آدمی بھیجکر بلوایا۔ عزت و تعظیم سے بٹھایا (کچھ نجوم کچھ شعر و سخن کی باتیں کیں) اور حکم دیا کہ ہتنی کس کر لاؤ۔ ہتنی حاضر ہوئی۔ وہ خانصاحب کو عنایت ہوئی۔ انھوں نے کہا مہاراج میں غریب آدمی ہوں۔ اسے کہاں سے کھلاؤنگا اور کیونکر رکھونگا۔ کہا سو روپیہ اور دو خانصاحب

اسی پر سوار ہو کر آئے پہلے اس ہتنی کے روپیہ کھائے پھر اُسے بیچ کر فیصلہ کیا۔ اسی موقع پر عبداللہ خانصاحب آوج کہ نہایت ظریف اور منہ پھٹ تھے کہتے ہین ؎

جنمون مین وہ مومن مکان لیتا ہے
بخومی بن کے جو ہتنی کا دان لیتا ہے

مولانا محمد حسین صاحب آزاد آب حیات مین تحریر فرماتے ہین کہ ایک دن میان آوج مجھے راستہ مین ملے۔ معمولی صاحب سلامت کے بعد کہنے لگے آج گیا تھا اونھین بھی سُنا آیا مین نے کہا کیا۔ کڑک کر کہا ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان نہین صاحب دیوان ہونا

دہلی مین شیرین نامی ایک رنڈی بہت امیر کبیر رہا کرتی تھی وہ حج کو جب چلی۔ تو میان آوج فرماتے ہین

بجا ہے شیرین اگر چھوڑ دلی حج کو چلی
مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

آغا کلب حسین خان و میان وحید صاحب

آغا کلب حسین خان صاحب تادر سب سے اخیر مین پیدا ہوے۔ مگر افراط شوق و آمد مضامین اور کثرت تصانیف اور پابندی اُصول مین سب سے اول سمجھے۔ تمام عمر انھون نے ڈپٹی کلکٹری کی اور حکومت کے شغلون مین گرفتار رہے مگر فکر شعر سے کبھی غافل نہ ہوے جس ضلع مین تبدیل ہو کر گئے مشاعرے کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ انکو اس فن شاعری سے خاص طور کی مناسبت تھی اور بے انتہا شوق تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہین ؎

لوگ کہتے ہین کہ فن شاعری منحوس ہے
شعر کہتے کہتے مین ڈپٹی کلکٹر ہو گیا

کسی نے اسکا جواب بھی لکھا ہے ؎

تیری قسمت مین لکھی تھی بادشاہی ہند کی
شعر کہتے کہتے تو ڈپٹی کلکٹر رہ گیا

میان وحید الہ آبادی نے شاعری میں بے انتہا طبیعت اچھی پائی تھی زبان نہایت اچھی تھی۔ عاشق مزاج و حُسن پرست تو شاعر ہوتے ہی ہیں مگر انکا نمبر بہت بڑھا ہوا تھا۔ ایکمرتبہ آپ الہ آباد سے لکھنو تشریف لائے۔ چوک میں شام کے وقت ٹہلنے جو نکلے تو دیکھا کہ ایک پری وش زیبا جمال طوائف اپنی کھڑکی میں بیٹھی ہوئی خُربزے کی قاشیں چاقو سے تراش رہی ہے۔ آپ اُسی جگہ بے تکلف کھڑے ہو گئے۔ جس وقت اُس عربدہ جو نے اُنکی جانب نگاہ اُٹھا کر دیکھا آپ نے بیساختہ یہ شعر موزون کر کے باواز بلند پڑھا ؎

مصروف ہیں جو آپ بنانے میں قاش کے
رکھ لیجئے گا دل بھی ہمارا تراش کے

وہ سُن کر پھڑک گئی اور آدمی بھیجکر بلوایا۔ اور بڑی تعظیم و تکریم سے ان سے پیش آئی۔ دیر تک شعر و سخن کے چرچے رہے انکو بھی لطف آیا اور اُس نے بھی مزے اُڑائے۔

فصیح الملک داغ و جلیل القدر جلیل

نواب فصیح الملک بہادر داغ دہلوی مرحوم جب یہ نہایت کم سن تھے اُس وقت حضرت ذوق اپنے اُستاد کے ساتھ اکثر شاہی مشاعروں میں شرکت کی ہے۔ مؤلف جلوہ داغ نے لکھا ہے کہ انکی شاعری کی ابتدا دس برس کے سن سے ہوئی ابتدا ہی سے طبیعت میں انتہا کی شوخی تھی۔ غرضکہ ایک مشاعرے میں آپ تشریف لے گئے۔ بہادر شاہ ظفر بھی موجود تھے۔ اُسی زمانہ میں غالب نے اس طرح میں دم نکلے و غم نکلے غزل لکھی تھی جسکا بڑا شور تھا۔ جب داغ کے آگے شمع آئی اُنھوں نے اُسی طرح میں غزل غیر طرح لکھی تھی اُستاد ذوق سے اجازت چاہی کہ غیر طرح میں پڑھوں۔ انھوں نے کہا ہاں پڑھو۔ جس وقت مشاعرے میں یہ شعر انھوں نے پڑھا ؎

ہوئے مغرور وہ جب آہ میری بے اثر دیکھی
کسی کا اس طرح یا رب نہ دنیا میں بھرم نکلے

سارا مشاعرہ چونک پڑا۔ اُستاد ذوق خود اجازت دیکر پچھتائے۔ بادشاہ نے انکو بلا کر بڑی تعریف کی اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

نواب مرزا خانصاحب داغ دہلوی جب پہلے پہل رام پور آئے ہین اور انکو اصطبل کی داروغائی ملی - اہل کمال کے تو دشمن ہر جگہ ہوتے ہین اور کچھ نہ بن پڑا تو لوگون نے پھبتیان کہنا شروع کین - کسی صاحب نے حماقت کی اور یہ شعر کہا ؎

شہر دہلی سے آیا اک مُشکی | آتے ہی اصطبل مین داغ ہوا

ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت آصف سادس سلطان دکن خلد آشیان نے نواب فصیح الملک جناب داغ مرحوم کو دو تلوارین عطا فرمائین آپ نے برجستہ یہ قطعہ نظم فرما کر پیش کیا ؎

تیز ہین تیز نگاہون سے بھی انکی دھارین | یہ وہ تلوار ہین زخمون کا نہین انکے علاج
گھاٹ دونون کے خوش اسلوب ہین دونون یکسان | جوہر آب کی یہ شکل کہ بحر امواج
مغربی اور جنوبی ہین وہ دونون بے مثل | سر بسر ہین یا سر بد خواہ انہین کے محتاج

ترے قبضے مین ہے تاریخ عطائے شاہی
لکھ دے اے داغ - عنایت ہوئین تلوارین آج

اِس موقع پر ہم حضرت جلیل مدظلہ کی بھی تاریخ عطائے شمشیر کو لکھنا مناسب جانتے ہین کہ جب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل القدر جلیل جانشین حضرت امیر مینائی رح کو سلطان دکن خلد اللہ ملکہ نے شمشیر عطا کی تو آپ نے بھی فی البدیہ یہ تاریخ کہکر حضور مین پیش کی - ملاحظہ ہو ؎

تیغ خوش آب عنایت کر کے | آبرو میری بڑھادی شہ نے
لکھ چمکتی ہوئی تاریخ جلیل | آج شمشیر عطا کی شہ نے

نواب فصیح الملک حضرت داغ مرحوم کو ایک مرتبہ خلد آشیان نواب میر محبوب علیخان بہادر سلطان دکن نے ایک مرصع گھڑی عطا فرمائی - داغ مرحوم نے فی البدیہ ایک بہت بڑا قطعہ تاریخ نظم کر کے پیش کیا جو ۲۹ شعر کا ہے جسمین سے ہم صرف تین شعر جو گھڑی کے متعلق ہین نذر ناظرین کرتے ہین - جناب داغ مرحوم فرماتے ہین ؎

گھڑی جب ملی مجھکو مین نے یہ جانا | مرے بخت کی ساعتِ نیک آئی
ستارون سے روشن وہ ہیرے جڑے ہین | کہ خورشید کی آنکھ بھی جن سے جھپکی
لکھو اس گھڑی داغ تاریخ زیبا | مرصع منور گھڑی شاہ نے دی

حُسن اتفاق کہ دور اعلیٰ حضرت (ہز ہائنس) میر عثمان علی خان بہادر سلطان دکن خلد اللہ ملکہ مین ایسا ہی موقع نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل القدر جلیل جانشین امیر مینائی رح کو بھی حاصل ہوا۔ حضور نے گھڑی۔ توڑا۔ بٹن سونے کے ایک ساتھ جناب جلیل کو مرحمت فرمائے۔ آپ نے بھی ایک لمبا چوڑا قطعہ اسکے شکریہ مین لکھکر حضور مین پیش کیا۔ مگر ہم صرف وہی اشعار انتخاب کرتے ہین جو گھڑی و توڑے کے متعلق ہین۔

ناظرین ملاحظہ فرمائین کہ دو کامل الفن اساتذہ کو ایک ہی موقع حاصل ہوا اور ایک ہی چیز پاکر کس کس طرح رطب اللسان ہین جناب جلیل فرماتے ہین۔

گھڑی گھڑی مرے سرکار کو خوشی ہو نصیب
مجھے گھڑی وہ عطا کی جو ہے عجیب و غریب

بجا ہی مین جو لکھون عیش کی گھڑی آئی
کہ بخت جاگ اُٹھے سونے کی گھڑی پائی

گھڑی نفیس ہے دلکش ہے خوبصورت ہے
وہ سادگی ہے کہ صدقے ہزار زینت ہے

پری کا حُسن ہے اسکے جمال پر صدقے
خرام ناز حسینان ہے چال پر صدقے

کہان یہ حُسن مہ دلاویز ماہ کامل مین
جو مین نے جیب مین رکھ لی اُتر گئی دل مین

مقیم ہو کے ہمیشہ سفر مین رہتی ہے
ہر اک سے کان مین چلنے کا حال کہتی ہے

اسی کے نقش قدم پر زمانہ چلتا ہے
اسی سے کام شب و روز کا نکلتا ہے

یہ ایک گھنٹے مین منزل تمام کرتی ہے
مگر کبھی سر منزل نہین ٹھہرتی ہے

گھڑی کے ساتھ ہی توڑے کا جوڑ بھی نایاب
یہ ہمسر مہ کامل وہ کہکشان کا جواب

گھڑی ہے سونے کی سونے کا اُسمین توڑا ہے
دل حسود کو دونون نے مل کے توڑا ہے

حضرت داغ مرحوم نے توڑا طلائی پاکر کیسی بے نظیر تاریخ لکھی ہے۔

عطیات پیہم کا کیا شکر ہو
کہ فدوی کو کیا کیا عنایت ہوا

بد یہہ کہو داغ تاریخ تم
یہ سونے کا توڑا عنایت ہوا

سبحان اللہ!

جناب جلیل مدظلہ نے ان عطیات کا جنکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہین ایسی لاجواب اور

بے مثل تاریخ کہی جسکی تعریف ہو ہی نہیں سکتی ملاحظہ ہو۔

قطعۂ تاریخ

عقیدت کے صلے فدوی نے آصفجاہ سے پائے | بڑے رتبے بڑے اعزاز ظل اللہ سے پائے
کہی تاریخ ایسی جو ہے آب زر سے لکھنے کی | گھڑی تو ڑا بٹن سونے کے اپنے شاہ سے پائے

یہ اعجاز ہے تاریخ ایسی کم دیکھی جتنی داد دیجائے کم ہے۔

فصاحت جنگ جلیلؔ القدر جلیلؔ

ایک دن اعلیٰ حضرت (ہز ہائنیس) میر عثمان علی خان بہادر سلطان دکن خلد اللہ ملکہ نے نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل القدر جلیل جانشین حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ کو چوبدار بھیجکر طلب فرمایا۔ آپ فوراً تشریف لے گئے جب دربار مین پہونچے حسب قاعدہ آداب شاہی بجالائے۔ آپکو دیکھتے ہی ارشاد ہوا کہ شاہزادون کا ختنہ اسی وقت ہے آپ تاریخ کہین تو یہ رسم ادا ہو۔ ایسی حالت مین ایک باوقار اور یکتائے زمان شاعر کو اپنا وقار قائم رکھنے مین جس مشکل کا سامنا رہا ہوگا کچھ اُسی کے دل سے پوچھیے۔ مگر آپ نے فوراً اعلیٰ حضرت کے حکم کی تعمیل یون کی اور فی البدیہہ یہ بےنظیر قطعۂ تاریخ نظم فرما کر پیش کیا۔ جناب جلیل القدر جلیل ارشاد فرماتے ہین۔

قطعۂ تاریخ

ہوا شاہ کے نونہالون کا ختنہ | یہ شادی مبارک یہ جلسہ مبارک
جلیل آج برجستہ فکر سخن ہو | کہو سال ختنہ یہ ختنہ مبارک

ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

حضرت ریاض

خدائے سخن جناب منشی امیر احمد صاحب امیرؔ مینائی مرحوم کے ہمسفر جناب کوثر و تسنیم وحضرت ریاض بھی تھے۔ بانکی پور مین مقام ہوا۔

حضرت ریاض کی شوخی طبیعت اور اُنکے کلام مین جو بانکپن پایا جاتا ہے وہ کسی کو کہان نصیب - اُسی زمانہ مین حضرت ریاض نے ایک غزل لکھی تھی جسکا ایک شعر یہ ہے

گلا بیٹھا ہوا خدمت اذان کی اور کعبہ مین
بھلے کو ہم دبا لائے تھے ناقوس برہمن کو

اس غزل کو ختم کر چکے تھے مگر مطلع نہین ہوا تھا مطلع کے لئے صرف یہ مصرعہ کہا تھا ع

جوانی گود مین اپنے کھلاتی ہے لڑکپن کو

دوسرا مصرعہ جیسا چاہتے تھے نہ ہوتا تھا - اُس دن موقع پاکر منشی صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہ کی خدمت مین عرض کی کہ اب حضور ہی اس مصرعہ پر مصرعہ لگا کر اسے مطلع کر دین - اور یہ مصرعہ سُنایا منشی صاحب قبلہ نے چار مصرعہ موزون فرمائے - مگر خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ مصرعے بلند نہین ہین تمہین فکر کرکے اس وقت مصرعہ کہو اور مجھے خوش کرو - اسکا کہنا تھا کہ حضرت ریاض کی زبان سے بیساختہ یہ مصرعہ نکل گیا -

لئے آغوش مین محرم ہے اُنکے اُٹھتے جوبن کو
جوانی گود مین اپنے کھلاتی ہے لڑکپن کو

منشی صاحب قبلہ سُن کر پھڑک گئے اور بے انتہا داد دے کر اپنے حوصلہ مند شاگرد کا جی بڑھایا -

حضرت ریاض کی زمانہ اڈیٹری مین جبکہ کسی یوروپین افسر سے چوٹین چلتی تھین فتنے مین ایک مضمون کی سرخی کا یہ مصرعہ تھا

یہ مین نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہین رہیگا

کچھ عوام اور خواص پر اسکا قیام و اثر پیدا کرنا تھا اور خلاف معدلت شاہی سمجھکر بہت جلد تبادلہ ہو گیا - تبادلے کے بعد دوسرا مصرعہ تبادلہ کی خوشی مین یون درج "فتنہ" ہوا -

کمر مین قاتل کے او ستمگر ہمیشہ تو بھی نہین رہیگا

شائقین شعر کو شعر کی تکمیل سے مسرت ہوئی اور شعر خود بھی با اثر مقبول تھا اور خاص و عام کی ضرورت نے بلحاظ ضرورت اور رتبہ بلند کر دیا - چنانچہ اب تک یہ ضرب المثل شعر زبانون پر جاری ہے -

یہ مین نے مانا کہ آج خنجر مرا گلو بھی نہین رہیگا
مگر مین قاتل کے او ستمگر ہمیشہ تو بھی نہین رہیگا

اور جب کبھی موقع ایسا آتا ہے اس سے بہتر شعر ملنا دشوار ہو جاتا ہے۔ صدہا مضمون مین راقم الحروف نے اسی شعر کو بچشم خود دیکھا ہے مقبولیت اسی کا نام ہے۔

جناب ریاض کا سن "سولہ سال کا تھا" اُس وقت خاص مشاعرون کی شرکت سے پرہیز بھی نہ تھا جس طرح وہ اب مشاعرون مین شرکت سے گھبراتے مین گھبراتے نہ تھے اور نہ تاویلین کرتے تھے کہ مشاعرون مین شعر و شاعری کی ہجو ہوتی ہے اور محض صورت۔ سیرت۔ شہرت احباب۔ اور شاگردون کی قول بندی کی تعریف ہوتی ہے۔ جس قدر جسکے جاننے والے یا ماننے والے اتفاقیہ یا بالارادہ جمع ہون اُسی قدر مدح سرائی زیادہ ہوتی ہے۔ شعر غلط ہو یا صحیح اسکا اندازہ ممکن نہین۔ قدم قدم پر پریس موجود ہین۔ رسالون کی کثرت ہے غزل چھپوا ئیے عیب نے صواب صفحۂ تحریر پر چھپ جائیگا۔ وہان ہم نوالہ ہم پیالہ۔ شاگرد و معتقد۔ احباب ساتھ نہ ہونگے۔ شعر اصلی حیثیت سے نظر کے سامنے ہوگا۔ اور بقول جناب ڈاکٹر رام لعل "وہ خوب بتاتا بھی ہے" تو تحریر مین بتانے کا یا خوش آوازی کا یا لحن داودی کا یا موسیقی کا اثر شامل نہین ہوگا۔ جس طرح اس زمانے مین ترمیم درپیش ہے کہ اکثر شعرا قوالی گاتے ہین۔ اکثر سوز خوان ہو جاتے ہین۔ ترمیم مین تنزلی اور ترقی کا ہر وقت اختیار رہتا ہے۔ یہ واقعی اختیار خال ہے کہ تو تنگی یا پیرانہ سالی مشاعرے کا نام رکھئے۔ لیکن ان سب باتون کا انجام یہی ہوتا ہے کہ کہنہ مشق ایک حیلہ پیدا کر کے مشاعرے کی شرکت جرم سمجھتے ہین اور کنارہ کش ہوتے جاتے ہین ابتدا مین شرکت مشاعرے سے جس خیال نے روکا وہ اتفاقیہ افتاد تھی۔

جناب ریاض کے برابر مشاعرے مین ایک بزرگ تشریف رکھتے تھے جو خفیہ بیعت پیر مغان کر چکے تھے۔ مگر صورت بہت مقطع تھی۔ اکثر لوگ واجب التعظیم سمجھتے تھے خود جناب ریاض کے والد ماجد کے ملنے والون مین تھے۔ جناب ریاض نے اپنی شوخی طبع سے یہ مقطع پڑھا ؎

شرماؤ ریاض مے کشی سے   لمبی ڈاڑھی ہے ہاتھ بھر کی

وہ اس قدر برہم ہوئے کہ اکثر معززین نے رفع شر کیا۔ ورنہ وہ بزرگ یہی سمجھے کہ یہ مجھ پر چوٹ ہے۔ اِس جھگڑے نے اس قدر طول کھینچا کہ تمام عمر کے واسطے شرکت مشاعرے سے احتراز کیا اور اُس دن سے آج تک کسی مشاعرے مین شریک نہین ہوئے۔

مولانا سید **سبحان اللہ خان** صاحب رئیس گورکھپور کا جبکہ قیام لکھنؤ مین تھا اور لسان الملک حضرت ریاض بھی اُنکے مہمان تھے۔ ایک دن خاکسار مؤلف بھی وہین حاضر تھا کچھ شعر وشاعری کا چرچا ہو رہا تھا۔ دوران گفتگو مین مولوی صاحب موصوف نے کسی اُستاد کا یہ بے مثل مطلع پڑھا ؎

جبین سے تونے دی تھی مجھے کل اُٹھا تو لا
ساقی مئے الست کی بوتل اُٹھا تو لا

اس مطلع کی داد مین نے اور حضرت ریاض نے بہت دی۔ اُسیوقت مولوی صاحب نے انہین قافیون مین مطلع کہنے کی حضرت ریاض سے فرمایش کی آپنے فی البدیہ یہ مطلع فرمایا ؎

اُتری ہے آسمان سے جو کل اُٹھا تو لا
طاقِ حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

اس کو سن کر مولوی صاحب موصوف لوٹ گئے۔ بڑی دیر تک ایک کیفیت طاری رہی۔ اور مجھ پر تو ایک بیخودی سی چھا گئی۔ بار بار جھوم جھوم کر یہ مصرعہ پڑھتا تھا ع

طاقِ حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

اے سبحان اللہ! اب اہل نظر دونون مطلعون کا لطف اُٹھائین اور اس برجستگی کی داد دین کہ پہلے مطلع کے جواب مین اتنا بلند مطلع اور فی البدیہ کہنا حضرت ریاض کا حصہ ہے ہائے

طاقِ حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

شیخ حبیب اللہ صاحب منیجر ریاست محمود آباد سے حضرت ریاض کو کچھ صدمہ پہونچا فوراً ایک شعر لکھکر سرکار مین پیش کر دیا۔ شعر ملاحظہ ہو۔

بس خدا سمجھے حبیب اللہ کو
کیا کھلے مین نائب سرکار ہین

سرکار نے بغور اس شعر کو دیکھا اور مسکرا کر خاموش ہو رہے۔ حضرت کا اس صنعت مین ساری عمر مین یہ پہلا شعر ہے۔ ان کا مسلک صلح کل ہے۔ چنانچہ خود ایک شعر مین فرماتے ہین ؎

کوئی ناخوش ریاض سے کیون ہو
اس روش کا وہ آدمی ہی نہین

ایسا ہی گہرا صدمہ آپ کے دل کو پہونچا ہوگا جب یہ ارشاد فرمایا۔

مولانا احمد حسین صاحب تمنا

۲- ستمبر ۱۹۰۵ء مسٹر مظفر امام صاحب بیرسٹرایٹ لا کے دولتکدہ پر محفل مشاعرہ منعقد تھی جس مین علاوہ شعراے شہر کے خاص خاص لوگون مین مولوی کریم الدین صاحب نغمہ مرحوم و مولانا احمد حسین صاحب تمنا بھی باصرار بیرسٹر صاحب تشریف لائے تھے۔ ان صاحبون نے غزل نہین لکھی تھی صدر مقام پر بیرسٹر صاحب نے اپنے بڑے آبا بلبل ہزار داستان جناب مولوی فرزند علی صاحب اخگر مرحوم کی تصویر رکھوادی تھی۔ مرحوم کی قابلیت و ہمہ دانی محتاج بیان نہین۔ جب سب لوگ اپنی اپنی غزلین پڑھ چکے تو جناب نغمہ سے پڑھنے کے لئے کہا گیا۔ انہون نے اپنی علالت کا عذر پیش کیا۔ پھر حضرت تمنا سے بھی اصرار کیا گیا انہون نے بھی گو اپنی اہلیہ کے انتقال اور اپنی پریشانی کا عذر پیش کیا۔ مگر ایک مطلع طرحی غزل مین اُسی وقت کہکر اور مولوی صاحب مرحوم کی تصویر کی طرف اشارہ کر کے حضرت تمنا مرزاپوری نے یون پڑھا ؎

مطلع

سامنے بلبل سدرہ کو بھی سکتا ہوتا
میرا طوطی جو کہین بولنے والا ہوتا

تمنا کے اس مطلع نے اسوقت سارے مشاعرے مین ایک سناٹا ڈال دیا۔ ہمارے لائق بیرسٹر صاحب کے دل سے کوئی اُس وقت پوچھتا کہ کیا گذری۔ آنکھون مین آنسو ڈبڈبائے ہوئے تو ہم نے بھی دیکھے۔

جناب میر نفیس لکھنوی

میر نفیس مرحوم خلف میر انیس مرحوم کی نسبت اُنکے فرزند میر خورشید حسن صاحب عروج کہتے ہین کہ جناب مغفور نے اپنے انتقال سے چار مہینہ پیشتر ایک تو تصنیف مرثیہ ۶ رجب ۱۳۱۸ھ کو پڑھا جسکا ایک شعر یہ تھا ؎

دعاے خیر سے روحِ حزین کو شاد کرین
ہمارے بعد بھی احباب ہم کو یاد کرین

جسکے ایک ایک لفظ سے حسرت ٹپک رہی ہے۔ اسکے چار مہینہ کے بعد آپ نے اس دُنیا کو خیر باد کہا۔ اسکو سوا اتفاق کہا جائے یا پیشین گوئی۔ افسوس کہ پھر آپ کو نیا مرثیہ لکھنا نصیب نہ ہوا۔ اور اس آخری استدعا کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ احباب تو احباب آپ کے دشمن بھی دعائے خیر سے یاد کرتے ہین اور جب تک زبان اُردو زندہ ہے مرحوم یون ہی یاد کئے جائینگے۔ اِس موقع پر مسٹر حامد علی خان بیرسٹر ایٹ لا کا یہ شعر آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے ؎

یہ منزلت بھی غنیمت ہے اہل دنیا کی
ملا کے خاک مین ذکر کمال ہوتا ہے

ایک حکیم صاحب فرماتے ہین کہ میر نفیس مرحوم ایک دفعہ دیانت الدولہ کی کربلا مین مرثیہ پڑھنے تشریف لائے۔ سامعین کا ہجوم کثرت سے تھا۔ بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ گرمی کا زمانہ تھا میر صاحب نے ایک سلام پڑھا جسکا مقطع اُسیوقت موزون کر کے یہ پڑھا ؎

نفیس افسوس ہم تو ہند مین ہین دوست جا پہونچے
خراسان مین نجف مین روضۂ سبطِ پیمبر مین

جناب جاوید لکھنوی

لکھنؤ مین جب سے مین آیا یہان کے اکثر شعرا اور کاملین فن سے ملتا رہا جس وقت مین جناب بندہ کاظم صاحب جاوید سے ملا۔ تو جس قدر مین نے شہرت سنی تھی اُسکا کوئی

اثر طریقہ بسر سے نہین پایا۔ ہان دو وقت ایسے پائے گئے جو اُنکی شاعری اور کمال کا حال بخوبی منکشف کرتے تھے۔ ایک مجلس وہ بھی ایک نہین ہزار کن کن واقعات کو لکھون اگر اُنکے وہ واقعات جو اتنے زمانہ مین مری آنکھون نے دیکھے حوالہ قلم کرون تو وہ ایک تذکرہ ہو جائیگا دوسرے وقت اصلاح۔ اتفاق سے مین ایک دن ساتھ تھا۔ بسم سے کی سیر ہو رہی تھی۔ کہ ایک صاحب سیاہ اچکن پہنے ہوئے سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ آپ نے کہا لیجیئے ابتو خار صحرا بھی دامن سے اُلجھنے لگے۔ صبح سے شام تک اصلاحین دے کے یہان آیا تھا۔ یہ بھی میرے ماتم مین سیہ پوش ہین۔ آنے کے ساتھ ہی اُن حضرت نے ایک مختصر تمہید کے بعد اپنی غزل پڑھنا شروع کی اُنکا مطلع تھا ؎

خائف کرجو شب کو اپنے گھر سے وہ نکلتے ہین ۔ نہ پڑجائے کہین شبخون ہی عاشق دہلتے ہین

آپ نے سُن کر کہا کہ بھئی یہ مطلع تو کسی قبر کی لوح پر لکھوا دو۔ یہ کہکر آپ نے کہا کہ اسے یون بنا دو ؎

خائف کرکے رنگین یہ وہ گھر سے نکلتے ہین
چراغ ایسے حسین دہین کہ ان ہاتھون سے جلتے ہین

خیر یہ اصلاح لے کر تو چلے گئے ایک دوسرے صاحب نازل ہوئے۔ نہایت ادب سے فراشی سلام کیا اور کہا کہ ایک مطلع اور ایک شعر عرض کیا ہے۔ اسے ملاحظہ فرمایئے۔ آپ نے کہا پڑھئے۔ مطلع تو مجھے یاد نہ رہا شعر یہ تھا ؎

نہین ہے اب کوئی دیکھے جو ان کو
حسین اب کیا کرین سرمہ لگا کے

کہا بھئی اسکو یون بنا دو تو اچھا ہے ؎

دم زینت خیال آتا ہے کس کا
حسین رو دیتے ہین سرمہ لگا کے

ایک مجلس مین جناب جاوید پڑھنے گئے۔ بانی اُسکے نہایت بخیل تھے کسی دوست کے ایما سے آپ نے اُسی وقت یہ رباعی موزون کرکے پڑھی۔ رباعی

دنیا کے تعب سب یہ گذر جاتے ہین ۔ دل حد کے جو نازک ہین وہ ڈر جاتے ہین

آخر مین نجیبون کا یہ ہوتا ہے مآل مہمان جو اجل آتی ہے مرجاتے ہین

چندوسی ضلع مرادآباد مین سب انسپکٹر سید اصغر حسین نے جناب جاوید کو پڑھنے کے لئے بلایا۔ اِس مجلس مین کئی ہزار آدمیون کا مجمع تھا۔ اتفاق سے ایک ایسی آندھی آئی جس سے ہر چیز اُلٹ پلٹ ہوگئی۔ جب آندھی کا زور کم ہوا تو مجلس شروع ہوئی۔ سید اسمٰعیل حسین صاحب جوہر جو وہین کے ایک شاعر تھے یہ فرمایش کی کہ اس وقت کوئی ایسی رباعی پڑھیے جسمین کچھ اس آندھی کا بھی ذکر اور محفل کی برہمی کا بھی ہو۔ اُسی وقت آپ نے فی البدیہہ یہ رباعی منبر پر جاتے ہی پڑھی

رُباعی

کس وقت مین مُنہ دہر سے موڑا مین نے تھا دم سے جو رشتہ اُسے توڑا مین نے
دُنیا مین ملا جو وہ یہین صرف کیا سینے مین نفس تک بھی نہ چھوڑا مین نے

جونپور کی ایک مجلس مین کسی شاعر نے میر انیس مرحوم کے اس مصرعہ پر مصرعہ لگایا پہلا مصرعہ اُنکا یہ تھا۔ دوسرا مصرعہ میر صاحب مرحوم کا ہے۔

غمِ حسین نے سینے کو کردیا ہے بہ تنگ
تڑپ رہا ہون مین الماس کے نگین کی طرح

اور پھر جناب جاوید سے بھی مصرعہ لگانے کی فرمایش کی۔ آپ نے فوراً یہ مصرعہ لگایا ؎

جگر کے زخم مین رہ رہ کے اُٹھ رہی ہی چمک
تڑپ رہا ہون مین الماس کے نگین کی طرح

ایک دن جناب جاوید میرے گھر سے اُٹھ کر جا رہے تھے۔ پانی برس کے نکل گیا تھا۔ راستے مین کیچڑ بہت تھی۔ پانؤن جو کیچڑ مین پڑا اور پاجامے کی چھینٹیں اُڑین۔ مولانا عشقی اور عزیزی طریب ساتھ تھے۔ آپ نے اُسی وقت موزون کرکے یہ شعر پڑھا ؎

جو چھینٹ پانؤن سے اُڑتی ہے سر پہ آتی ہی
فلک کی طرح زمین بھی ہمین ستاتی ہی

لسان العصر حضرت اکبر مرحوم

لسان العصر خان بہادر حضرت اکبر کے برادر نسبتی سید حافظ حسین صاحب جو مؤلف کتاب ہذا کے بھی بے تکلف دوستون مین ہین۔ جب ان کی شادی کے پیغام اکثر آئے اور بعض بڑے گھرون سے اس پر اصرار کیا گیا کہ لڑکے کو ابھی تعلیم کی اور ضرورت ہے۔ ہمارے آزاد خیال دوست سے کہا گیا۔ مگر اُنہون نے اُردو مڈل کے آگے قدم نہ بڑھایا۔ اور انگریزی تعلیم سے قطعی انکار کر دیا۔ اِس موقع پر جناب اکبر نے یہ بیمثل قطعہ نظم فرمایا ہے

قطعہ

خدا حافظ مسلمانون کا اکبر	مجھے تو انکی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہدِ مقصود کے ہین	نہ جائینگے ولیکن سعی کے پاس
سناؤن تم کو اک فرضی لطیفہ	کیا ہے مین نے جسکو زیب قرطاس
کہا مجنون سے یہ لیلیٰ کی مان نے	کہ بیٹا تو اگر کرلے ایم۔ اے پاس
تو فوراً بیاہ دون لیلیٰ کو تجھ سے	بلا دقت مین بنجاؤن تری ساس
کہا مجنون نے یہ اچھی سنائی	کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوشِ طبیعت	کجا ٹھونسی ہوئی چیزون کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے	ہرن پر لادی جاتی ہے کہین گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی	مجھے سمجھا ہے کوئی ہرجرن داس
دل اپنا خون کرنے کو ہون موجود	نہین منظور مغزِ سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرطِ وصل لیلے	تو استعفا مرا با حسرت و یاس

سید عشرت حسین خلف حضرت اکبر جو اب بعہدۂ ڈپٹی کلکٹری ممتاز ہین جب لندن مین تھے۔ اور جنکی شادی سید احمد حسین صاحب مذاق تعلقدار پریانوان کی صاحبزادی سے ہو چکی تھی۔ مگر رخصتی واپسی لندن پر قرار پائی تھی۔ مگر عشرت سلمہٗ لندن کی دلچسپیون مین ایسے محو ہوئے کہ گھر بھی بھول گئے۔ تعلقہ دار صاحب کی طرف سے سخت تقاضے ہوئے کہ اب رسم رخصتی ادا

ہونا چاہیے - جناب اکبر نے کئی خط طلبی میں لکھے مگر کون سنتا ہے - مجبور ہو کر ذیل کا قطعہ نظم فرمایا اور عشرت سلمہ کے پاس بھیجا ؎

لندن کو چھوڑ لڑکے اب ہند کی خبر لے
بستی رہینگی باتین آباد گھر تو کر لے

راہ اپنی اب بدل دے بس پاس کر کے چلدے
اپنے وطن کا رخ کر اور رخصت سفر لے

انگلش کی کر کے کاپی دنیا کی راہ ناپی
دینی طریق مین بھی اپنے قدم کو دھر لے

واپس نہین جو آتا کیا منتظر ہے اسکا
مان خستہ حال ہو لے بیچارہ باپ مر لے

مغرب کے مرشدون سے تو پڑھ چکا بہت کچھ
پیران مشرقی سے اب فیض کی نظر لے

مین بھی ہون اک سخنور آ سن کلام اکبر
ان موتیون سے آکر دامن کو اپنے بھر لے

اس قطعہ مین دلی جذبات کا اظہار جس شعر مین کیا ہے وہ کس قدر با اثر ہے اللہ اللہ ؎

واپس نہین جو آتا کیا منتظر ہے اس کا
مان خستہ حال ہو لے بیچارہ باپ مر لے

حضرت اکبر کا جو قطعہ ہم اوپر لکھ چکے ہین جب اس پر بھی جناب عشرت واپس نہ آئے - پھر آپ نے دوسرا قطعہ نظم فرما کر بھیجا - اسے بھی ملاحظہ فرمائیے - کیا خوب فرمایا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ نہایت غصے مین یہ قطعہ نظم کیا گیا ہے

قطعہ

عشرتی گھر کی محبت کا مزا بھول گئے
کھا کے لندن کی ہوا عہد وفا بھول گئے

پہونچے ہوٹل مین تو پھر عید کی پروا نہ رہی
کیک کو چکھ کے سوئیون کا مزا بھول گئے

بھولے مان باپ کو اغیار کے چرچون مین ان
سایۂ کفر پڑا نور خدا بھول گئے

موم کی پتلیون پر ایسی طبیعت پگھلی
چمن ہند کی پریون کی ادا بھول گئے

کیسے کیسے دل نازک کو دکھایا تم نے
خبر فیصلۂ روز جزا بھول گئے

بخل ہے اہل وطن سے جو وفا مین تم کو
کیا بزرگون کے وہ سب جود و عطا بھول گئے

نقل مغرب کی ترنگ آئی تمھارے دل مین
اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے

کیا تعجب ہے جو لڑکون نے بھلایا گھر کو
جبکہ بوڑھے روش دین خدا بھول گئے

موم کی پتلیوں کی تشبیہ ایسی انوکھی ہے کہ جسقدر داد دیجائے کم ہے اور پھر اُس پر طرفہ طبیعت "پگھلی" اس مناسبت پر جی لوٹ جاتا ہے۔ سبحان اللہ۔

جب شمس العلما مولانا شبلی مرحوم آلہ آباد آئے اور حضرت اکبر کو ان کے درود کی خبر پہونچی۔ آپ نے دعوت کی اور قلم برداشتہ یہ اشعار نظم فرما کر مولانا مرحوم کی خدمت مین روانہ کئے۔

اشعار

بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی ۔۔۔ آنا نہین مجھکو قبلہ قبلی
کھانا یہین کھاؤ آج کی رات ۔۔۔ تکلیف اُٹھاؤ آج کی رات
سمجھو اُسی کو پلاؤ قلیا ۔۔۔ حاضر جو کچھ ہو دال دلیا

ایک مرتبہ حضرت اکبر کو باری سے سخت تپ آئی تھی جب اچھے ہوئے تو یہ شعر فرمایا

شعر

علم باری مین یہ تپ موت کی تمہید نہ تھی
ورنہ ظاہر مین تو کچھ زیست کی اُمید نہ تھی

یہ تذکرہ سنہ ۱۹۰۶ء کا ہے۔

حضرت اکبر نے جب پردے کے خلاف اخبارون اور رسالون مین مضامین پڑھے۔ اِس وقت جوش مین آکر جو بے مثل قطعہ آپ نے نظم فرمایا وہ آپ ہی اپنا نظیر اور آج زبانون پر ہے۔

قطعہ

بے پردہ کل جو آئین نظر چند بیبیان ۔۔۔ اکبر زمین مین غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو انسے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا ۔۔۔ کہنے لگین کہ عقل پہ مردون کے پڑ گیا

جناب آرزو لکھنوی

جناب سید انور حسین صاحب آرزو جانشین حضرت جلال مرحوم نے بحور متدارک و متقارب مین جو جوا عجاز دکھائے ہین محتاج بیان نہین۔ آپ رنگ میر مغفور سے خاص انہماک رکھتے ہین۔ ایک مرتبہ موصوف الصدر بطور سیاحت لاہور تشریف لے گئے۔ نور جہان بیگم کے مزار پر گذر ہوا تو اُسکی شکستہ حالی و کس مپرسی سے اس قدر متاثر ہوے کہ اُسی وقت کوئلہ سے دیوار پر یہ شعر لکھ دیا جسکے اثر کی کوئی حد ہی نہین ملاحظہ ہو

قاتل جہان معشوق جو تھے سوتے ہین پڑے مرقد اُن کے
یا مرنے والے لاکھون تھے یا رونے والا کوئی نہین

بہت زمانہ کے بعد آثار الصنادید ہندوستان کی شاہی عمارتون پر توجہ ہوئی اور جن کے اہتمام مین مقبرہ نور جہان تھا اُنھون نے سنگ مرمر پر کندہ کرا کے مذکورہ شعر کو لوح مزار پر نصب کرا دیا اور اخبارون پر اِس امر کا اعلان کیا گیا کہ کوئی صاحب آرزو لکھنوی ہین جو اپنا شعر لکھ گئے تھے کمیٹی مین پیش کیا گیا اور وہان سے اجازت ملی کہ نور جہان سلطانِ ہند کے لوح مزار پر کندہ کیا جائے۔

چند روز ہوے کہ ایک صاحب نے بیان کیا کہ بیگم صاحبہ بھوپال کی قبر پر بھی مذکورہ شعر درج ہے ہم اپنے دوست حضرت آرزو کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہین وہ اس پر جسقدر فخر کرین کم ہے کیونکہ شاعر کی زندگی مین عام مقبولیت الشاذ کالمعدوم ہے۔

جناب آرزو جانشین حضرت جلال مرحوم بیان فرماتے ہین کہ میرے محلّے مین ایک میر صاحب رہتے تھے جو خود شعر نہین کہتے تھے مگر سخن فہمی کے مدعی تھے۔ ایک دن مجھے چوک مین ملے مین نے سلام کیا۔ میر صاحب نے شفقت آمیز لہجے مین جواب سلام دیکر فرمایا کہ ایک مصرعہ ہے اُس پر مصرعہ لگا دیجیے مگر مصرعہ پورا ہو۔ مین نے کہا فرمائیے۔ آپ نے یہ مصرعہ پڑھا۔ ع

اُڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ مین

مین نے وقت طلب کیا۔ جواب مین فرمایا۔ برس دن مین دو برس مین دس برس مین بیس برس مین
پچاس برس مین۔ جب ہو سکے۔ گویا میر صاحب طے کر چکے تھے کہ مدت العمر مین بھی اس پر مصرعہ
نہ ہو سکے گا۔ مجھے اُنکے اس کہنے سے ایسی تکلیف پہونچی کہ مین اُسی وقت مصرعہ لگانے پر
آمادہ ہو گیا۔ اور اُن سے یہ عرض کیا کہ مجھے تو اُمید نہین کہ جو سانس آ چکی وہ آخری ہے یا
ابھی چند نفس اور باقی ہین۔ تھوڑی سی مہلت دیجیے مین ابھی فکر کرتا ہون۔ میر صاحب نے زمانا
اور آگے چلے گئے۔ مجھے اُسوقت ایسی چوٹ سی لگی تھی کہ فکر کرنے لگا۔ غالبًا دس بارہ منٹ
گذرے ہونگے کہ مصرعہ لگا لیا اور وہین سے پلٹا۔ اُدھر سے وہ بزرگ پھرے۔ راستے مین
مڈبھیڑ ہو گئی۔ مین نے کہا کہ لیجئے مصرعہ لکھ لیجئے۔ میر صاحب نے حیرت سے کہا کہ ایسی جلد آپنے
مصرعہ لگا لیا۔ بھلا سنائیے تو سہی۔ مین نے یہ مصرعہ پڑھا ؎

دامن اُس یوسف کا آیا پرزے ہو کر ہاتھ مین
اُڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ مین

جناب آرزو کی ایک پیاری بیٹی نے نہایت صغر سنی مین انتقال کیا جسکا انھین بیحد
صدمہ ہوا۔ مدت تک مشغلہ شاعری ترک رہا۔ پھر معیار کے مشاعرہ کی غزل لکھی مقطع ملاحظہ ہو۔

برق حسرت آرزو نخلِ تمنا پر گری
تھی پھلنے کی خوشی جسکی وہ پودا جل گیا

جناب بیخود موہانی

جناب بیخود موہانی کا بیان ہے کہ مین بھروئی اسٹیشن پر گاڑی کا منتظر تھا۔ ایک ستر
برس کا بڈھا۔ ایک پندرہ سولہ برس کی پری جمال کو لیے ہوے آیا۔ جسکے چہرہ پر اُداسی کا رنگ
پھرا ہوا۔ اُسکی روئی ہوئی آنکھین اُسکا اترا اُترا چہرہ دلون کو ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتا تھا۔ نگاہون سے
شوخی کی جگہ حسرت ٹپک رہی تھی۔ لبون تک بیساختہ آجانے والی آہون پر ضبط کا پہرہ
بٹھا دیا گیا تھا جس سے فریاد کا گلا گھونٹ دیا جاتا تھا مگر گلاب کی پنکھڑی کے سے لب
تھرا کے رہ جاتے تھے وہ گرگ باران دیدہ بھی فطری کم طاقتی اور پیرانہ سالی سے سرگربیان

ہو رہا تھا وہ خزانہ کا سانپ بنا تھا مگر قدرت کا دیا ہوا کس بل ہوا ہو چکا تھا۔ مشک افشان گھونگھر والے بالون سے کافور کی بو چلی آتی تھی۔ لباس پر مل بجے کفن کا دھوکا ہوتا تھا ایسی ولولہ انگیز نازنین پہلو مین تھی مگر چہرے پر مُردنی چھا رہی تھی۔ حُسن رہگذر سے آنکھین سینکنے والے بدست جوان بزم تمنا مین قدم رکھنے والے البیلے بیدردست شباب نظارہ بازی مین اپنی بدتمیزیون اور بے حجابیون کی داد دے رہے تھے۔ مین طوطی را بازاغ ہم قفس کردند پر نظر کر کے فخر المتاخرین غالب کے اس شعر سے عبرت کا سبق لے رہا تھا ؎

اے ولئے نالۂ شب خونین نوائے گل
جو تھا وہ موج رنگ کے دھوکے مین مر گیا

استنے مین کسی ہوس مست بیدرد نے آخر میرے دل کو جو پکا پھوڑا ہو رہا تھا چھیڑ دیا اور مین نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

دل پُر خون نظر آتا ہے گل تصویر غم بلبل
ارے اللہ ہم دل لیکے اس گلشن مین کیون آئے

مرزا حیرت الہ آبادی

مرزا محمد جان حیرت الہ آبادی جنکو فن شاعری مین جناب اعظم الہ آبادی شاگرد آتش سے تلمذ تھا۔ زمانہ کجباز کے ہاتھون ان کی حالت بہت غیر ہو گئی تھی۔ بیچارے فاقہ کرتے تھے۔ دُکھ بھرتے تھے ایک انکے لنگوٹیا یار جنہون نے انکی وہ حالت دیکھی تھی کہ جس وقت یہ بہت آسودہ حال تھے۔ اتفاق سے کوئی ۵ ۶ سال کے بعد جب یہ الہ آباد آئے انھون نے مرزا حیرت کو لوگون سے دریافت کیا کہ کہان اور کس حال مین ہین۔ سب نے ان کی حالت بتادی کہ اب بہت خراب ہو رہی ہے۔ اور ان کے مکان کا پتہ دیا یہ پوچھتے ہوے مرزا صاحب کے مکان پر آئے۔ آواز دی۔ میان حیرت باہر نکل آئے۔ اُنھون نے فوراً ان کو دیکھتے ہی ان سے مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھا ؎

حیرت وہ تیری چاند سی تصویر کیا ہوئی
پہلے جو زر فشان تھی وہ تقدیر کیا ہوئی

اسکا سننا تھا کہ بیساختہ مرزا حیرت صاحب کی آنکھون سے آنسو نکل پڑے اور اپنے پوچھنے والے دوست کا یون جواب دیا ؎

ہر شے کو انقلاب زمانہ نگل گیا
کیا جانئے مجھ غریب سے تقصیر کیا ہوئی

اُس وقت اُن لوگون کے دلون پر جو گذری وہ کچھ انہین کے دلون سے پوچھا چاہیے جن پر کبھی ایسا وقت گذر چکا ہو۔

میر گدا حسین فضا و جناب نعیم

میر گدا حسین فضا ایک طباع شاعر تھے۔ قلق مرحوم کے شاگرد رشید غازیپور کے رئیس تھے۔ میر صاحب مرحوم کے بڑے بھائی میان خادم بیان کرتے ہین کہ فضا ایک پردہ نشین حور لقا نازنین کے کشتۂ ناز تھے۔ تمام عمر فراق ہی مین بسر کی۔ ہان روز وصال کچھ سامانِ وصل نظر آتا تھا۔ جب ان کا اخیر وقت ہوا کسی نے اُس تغافل شعار سے بھی کہہ دیا کہ اب فضا تھوڑی ہی دیر مین نتیجۂ قضا مین ہونگے کشش الفت نے کس موقع پر اپنا اثر دکھایا۔ کوئی بیتاب ہو کر دیکھنے آیا۔ میر صاحب کی رنگینی طبع مرتے مرتے بھی نہ گئی تھی۔ اپنے معشوق کو سرہالین دیکھکر بیساختہ فرمایا۔

نزع مین اے سیمتن صورت جو دکھلائی تو کیا
وقتِ مردن دولتِ قارون ہی ہاتھ آئی تو کیا

جناب نعیم اللہ نعیم محمد حاتم حاتم کے ہمعصر تھے ہمیشہ دلّی مین رہے۔ حاتم سے اکثر مشاعرے مین چوٹین چلا کرتی تھین۔ دونون اُستادان فن شاعری مین اپنی اپنی غزلون کا موازنہ کر کے طبع وقاد کا ثبوت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حاتم نے مشاعرے مین غزل شروع کی تو مطلع ہی مین نعیم پر تعریض تھی ؎

جس دن سے کوئے یار کا حاتم مقیم ہے
بدتر لے سے خزان سے بہارِ نعیم ہے

جسوقت شمع نعیم کے روبرو آئی اُنھون نے فی البدیہہ یہ مطلع کہکر پڑھا۔ جناب نعیم فرماتے ہین ؎

طلب نہ ہو جو سلیمان کی کچھ بھی حاتم ہے
لبِ سوال نہ ہووے تو ہیچ حاتم ہے

مرزا ساجد و حکیم محمد افضل الہ آبادی

نقیر خستہ جگر صفدرؔ کے مکرم دوستون مین مرزا ساجد مرحوم جو نہایت ظریف و بذلہ سنج شگفتہ جبین خندہ رو بات بات مین نیا انداز - ہر فقرے مین چلتے ہوے جادو کا اثر خوش وضع خوش لباس رنگین طبیعت عاشق مزاج، اچھی صورت جہان نظر آئی بس وہین کے ہو رہے بقول کسی شاعر کے

عجب کچھ حالتِ دل ہے جہان دیکھی نئی صورت

دلِ نادان مچلتا ہے کہ بس ہم تو یہی لین گے

ہمارے حضرت کسی کافر ادا کے تیر نگاہ سے بسمل ہو چکے تھے - اور تو کوئی موقع نہ تھا کبھی کبھی آپ لبِ دریا جب وہ بحر حسن لطافت نہانے کے لیے آیا کرتا تھا - دیکھ بھال لیا کرتے تھے آشنائی کا حال مجھے نہین معلوم - مگر اتنا کہہ سکتا ہون کہ محبت ضرور تھی اور دونون طرف سے ایکدن نشست لب دریا خان صاحب پر ہم اور وہ بیٹھے ہوے باتین کر رہے تھے کہ یکایک جلوہ حسن تبان نے آنکھون مین چکا چوند کر دی - اُس غول مین اِن کی وہ معشوق زہرہ جمال بھی نظر آئی - سب نے دھوتیان کاندھون سے اُتار کر رکھین - دریا مین خوب جی بھر کے نہائین جب نہا کر چلنے لگین اور ہمارے دوست کی اُس سے آنکھ دوچار ہوئی بے ساختہ یہ شعر مرزا کی زبان سے نکل گیا

کنار رکھول کے حسرت سے رہ گیا دریا

حباب پھوٹ کے رو ئے جو تم نہا کے چلے

مجھکو بے انتہا مزا آگیا اور بڑی دیر تک یہ شعر پڑھا کیا - ہاے عین موسم شباب مین اِس نوجوان نے دنیا کو خیر باد کہا میری نگاہ سے اب تک اِس طبیعت و صورت و شباہت کا انسان نہین گذرا مرنے سے چند روز پیشتر اکثر غالب کا یہ شعر اپنے مقطع کے ساتھ پڑھا کرتے تھے ؎

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت ساجد

تم کو بے مہری یارانِ وطن یاد نہین

بس اب دل بھر آتا ہے اور بیساختہ زبان سے یہ مصرعہ نکلتا ہے ع

خدا بخشے بہت سی خوبیان تھین مرنے والے مین

حکیم محمد فضل الٰہ آبادی مرحوم کی نسبت میرے ایک دوست بیان کرتے تھے کہ میں حکیم صاحب کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ انکے مکان کے سامنے ایک صاحب جنکو کسی کچہری سے تعلق تھا کرایہ پر ٹھہرے ہوے تھے اُنکی صاحبزادی ابھی جسکا تیرھواں سال بھی شروع نہ ہونے پایا تھا۔ حسن صورت میں لاجواب ایک ایک ادائیں جسکی قیامت سے کم نہ تھیں۔ یکایک وہ نوخیز حسین اپنے دروازہ پر کیواڑ کے قریب چلی آئی اور ایک پٹ کیواڑ کا کھولا تھا کہ جیالے حُسن نے ہم دونوں کی آنکھیں جھپکا دیں۔ ہم لوگوں کو دیکھکر کیواڑ بند کر لئے گئے۔ یہ معلوم ہوا جیسے بجلی چمک کر پردہ ابر میں چھپ گئی حکیم صاحب کی زبان سے بیساختہ یہ مطلع نکل گیا ؎

بیساختہ اس طرح نہ نکلا کرو گھر سے

اب لوگ تمہیں دیکھتے ہیں اور نظر سے

وہ بیان کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ واللہ جس وقت یہ شعر میں پڑھتا ہوں میرے سامنے وہ نقشہ کھنچ جاتا ہے۔

جناب عزیز لکھنوی

ایک روز مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی اپنے ایک دوست کے جنازے کے ساتھ جارہے تھے۔ مرحوم کی ہردلعزیزی اور اُنکی جوانی نے انکا دل ٹکڑے کردیا۔ راستہ میں لوگ میت کا کاندھا بدل رہے تھے۔ اسی عالم میں دو قطعے بے اختیار موزوں ہوگئے۔ جو بلا مبالغہ تصویر عبرت ہیں ؎

قطعہ

آج سب احباب سے روپوش ہوں — سُن رہا ہوں سب کی اور خاموش ہوں

کل بٹھاتے تھے مجھے آنکھوں پہ لوگ — آج وہ دن ہے وبال دوش ہوں

دیگر

جو کوئی آتا ہے وہ روتا ہوا — ساتھ میرے جان کو کھوتا ہوا

مر کے کیا راحت ملی تابوت میں — جارہا ہوں چین سے سوتا ہوا

جناب عزیز کا ایک روز قبرستان مین گذر ہوا۔ دیر تک اُس خاموش بستی کا نظارہ کرتے رہے وہین ایک قبر پر یہ قطعہ موزون کیا جناب عزیز فرماتے ہین۔

قطعہ

دیکھنے والے طلسم گردش افلاک کے | دل سے قایل ہین قصور قوت ادراک کے
یہ طلسم دہر کیا اور ساکنان دہر کیا | اک کرہ ہے گھومتے ہین جسمین ذرے خاک کے

جناب عزیز ایک مرتبہ اپنے ایک بیمار دوست کی عیادت کو گئے۔ مزاج پرسی کی اُنہون نے نہایت مایوسی کے لہجے مین یہ شعر پڑھا ؎

منحصر مرنے پہ ہو جسکی اُمید | نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے

انکے سامنے ہی انکی حالت متغیر ہوگئی اور نزع کے آثار شروع ہوگئے۔ ان سے یہ حالت دیکھی نہ گئی اُٹھ کر باہر چلے آئے اور اپنے مکان کی طرف چلے۔ راستے مین ایک دوست جو عیادت کو جارہے تھے۔ اُنھون نے ان سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ اُنھون نے یہ قطعہ جو انکی حالت دیکھکر فی البدیہ نظم کیا تھا سنا دیا۔

قطعہ

آمادۂ رخصت نفس باز پسین ہے | ہین سرد سب اعضا عرق آلودہ جبین ہے
کھلنے کو ہے شیرازۂ مجموعۂ ہستی | اب پیش نظر دفتر اوراق زمین ہے

ایک مرتبہ کسی دوست کے ہان جناب عزیز مدعو تھے چند احباب اور بھی شریک طعام تھے۔ اتفاق سے ایک دوست کا کھانا کھانے مین ایک دانت جو ہل رہا تھا ٹوٹ گیا۔ بیچارے کھانے پر سے اُٹھ گئے۔ اُسی وقت آپ نے یہ قطعہ موزون کیا اور بعد فراغ طعام حاضرین جلسہ کو سنایا۔

قطعہ

طفلی بھی پاکہ عہد مسرت کا ایک خواب | سمجھا مین کہ نیند کا جھونکا تھا یا شباب
ناپائدار زیست کی اب کیا اُمید ہو | پیری نے بھی دیا مجھے دندان شکن جواب

جناب عزیز کے ایک دوست کی بیوی جو تعلیم یافتہ اور حسن سیرت و صورت سے

آراستہ تھیں انتقال کیا چند روز کے بعد انکی ایک تحریر ملی جو اُنہون نے مرنے سے پیشتر اپنے شوہر کو لکھی تھی جسمین کہ وصایا اور اپنے اعزہ کی نسبت کچھ تحریر کیا تھا وہ اُسکو پڑھ رہے تھے اور گرد اُنکے تمام اعزہ جمع تھے بعض ان مین سے چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ اتفاق سے اسی وقت کی ڈاک مین حضرت عزیز کا ایک خط انکو پہونچا جس مین اُنہون نے اپنی ایک تازہ غزل بھیجی تھی۔ اور انکو اس حادثہ کی مطلق خبر اُس وقت تک نہ تھی۔ اُسمین ایک شعر یہ بھی تھا ؎

ہجوم عام ہے سب ڈر رہے ہین دیکھ کر اُس کو

مرے بعد آج میرے گھر سے اک تحریر نکلی ہے

یہ شعر اس واقعہ کی پوری تصویر تھا۔ اس لیے اُن پر اور تمام اعزہ پر جو کہ اُس وقت موجود تھے بیحد اثر پڑا۔ اُنہون نے اُس خط پر اس شعر کو لکھ لیا اور جواب مین جو واقعات گذرے تھے جناب عزیز کو لکھ بھیجے

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک صحبت مین جناب عزیز نے پریشان ہونا گریبان ہونا۔ اس طرح مین اپنی غزل پڑھی جب اُنہون نے یہ مطلع پڑھا ؎

دیکھ کر ہر در و دیوار کو حیران ہونا

وہ میرا پہلے پہل داخل زندان ہونا

تو اُن مین سے ایک صاحب اس مطلع سے خاص طور پر متاثر ہوے اور اس مطلع کو بیتابانہ بار بار پڑھتے رہے۔ یہان تک کہ اپنے مکان پر پہونچنے پر بھی اُن پر ایک وجدانی کیفیت طاری رہی اور رات بھر اسی مطلع کو پڑھا کئے۔ صبح اُٹھتے ہی اُنھین ایک بہت بڑی مصیبت کا سامنا ہوا اور بدقسمتی سے ایک دن اور ایک رات اُن کو جیل خانہ مین رہنا پڑا۔ جب وہان سے رہائی ہوئی تو اُنہون نے جناب عزیز سے بیان کیا کہ جب جیل خانہ گیا وہان پھر مجھے یہ مطلع یاد آیا۔ اور ایک خاص کیفیت مجھپر طاری ہوئی۔

قطعات تاریخ

میرے مکرم دوست حضرت عزیز لکھنوی بیان فرماتے ہین کہ جناب سید مصطفیٰ صاحب عرف میر آغا صاحب (لکھنؤ کے جید مجتہد) کا انتقال ہوا تمام شہر مین ایک کہرام تھا۔ مین نے یہ خبر جسوقت سُنی تو فوراً ایک مصرعہ میری زبان سے نکلا ع

بازشد اقلیم دین ویران ز مرگِ مصطفےٰ

تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا کہ اسکو جوڑنا چاہیئے۔ حساب کرنے کے بعد پورے سنہ اس مصرعے نکلے ہیں سنے اُس پر مصرع لگائے۔ چنانچہ یہی قطعہ تاریخ اُنکے سنگ مزار پر کندہ ہے۔

شاہزادہ مرزا سکندر بخت کا انتقال ہوا۔ میرے ایک دوست نے تاریخ کی فرمائش کی۔ فوراً مصرع زبان سے نکلا۔ ع

"خورد سکندر جام فنا"

اعداد جوڑے تو پورے تھے۔

جناب خواجہ عشرتؔ لکھنوی

جناب خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی کی ذات بابرکات اس وقت لکھنؤ کے شعرا میں مغتنم ہے نثر و نظم دونوں میں ید طولیٰ حاصل ہے۔

ایک مرتبہ مدرسہ تکمیل الطب کے چند طلبا اس مسئلہ پر اصولاً بحث کر رہے تھے کہ غذا جب بدن میں داخل ہوتی ہے تو جزو بدن بنجاتی ہے۔

خواجہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا مجھے اس کلیے سے اتفاق نہیں ہے۔ سب نے کہا آپ کے پاس کوئی دلیل بھی ہے۔ آپ نے یہ شعر موزون کر کے پڑھ دیا ؎

حکما کہتے ہیں ہوتی ہے غذا جزو بدن
ہم تو تحلیل ہوئے جاتے ہیں غم کھانے سے

سب نے ایک زبان ہو کر کہا فی الحقیقت یہ آپ کی شاعرانہ تحقیق کا کلیہ ہے۔ پھر اسی زمین میں مطلع فرمایا ؎

مطلع

بزم ابتر ہوئی نکلی جو وہ میخانے سے
شیشے توڑے گئے پھینکی گئی پیمانے سے

سبحان اللہ!

ارباب نشاط کے کسی جلسے مین ایک ستم شعار کے دلکش تیور دیکھکر آپ نے یہ مطلع فوراً موزون فرمایا۔ جناب خواجہ عشرت فرماتے ہین ؎

مطلع

بیوفا تیری نظر کا رنگ یہ محفل مین ہے
اک چھری سینہ مین ہے تو ایک برچھی دل مین ہے

احباب نے بہت پسند فرمایا اور تعریف کی۔

شہزادہ مرزا قیصر بخت لکھنوی مرحوم خلف چھوٹے صاحب عالم بہادر تلمیذ آغا منظر صاحب مرحوم بالالتزام ہر مہینے صحبت مشاعرہ منعقد فرماتے تھے اور ہر شاعر کے مکان پر خود وعدہ لینے جاتے تھے۔ چیدہ چیدہ شعرا مشاعرے مین جمع ہوتے تھے۔ ایک مشاعرے مین خواجہ صاحب کو بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ نے عذر کیا کہ محض وعدے کے سبب سے مین چلا آیا ہون لیکن غزل کہنے کا اتفاق نہ ہو سکا۔ صاحب مشاعرہ نے فرمایا یہ عذر بارد قبول نہ ہوگا۔ آپ صرف ایک مطلع پڑھ دیجیے۔ آپ نے اُسی وقت ایک مطلع پڑھا۔ جسکی حاضرین نے بیحد تعریف کی وہ مطلع یہ ہے۔ جناب خواجہ عشرت فرماتے ہین۔

مطلع

باغ جہان مین ہم نہ کبھی شادمان رہے
شبنم کی طرح عمر بھر آنسو روان رہے

سبحان اللہ!

جناب قدر بلگرامی

جناب قدر بلگرامی نے عجب بامذاق طبیعت پائی تھی متانت کے ساتھ ظرافت کی چاشنی بھی اُنکے کلام فصاحت التیام مین پائی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ کو کچھ بانسون کی ضرورت پڑی بہت جگہ تلاش کرائے مگر نہین ملے۔ کسی نے کہدیا تحصیل مین بانس موجود ہین یہ سُن کر آپ نے منشی جواہر لعل صاحب تحصیلدار کی خدمت مین جو خود بھی شاعرانہ مذاق رکھتے

تھے۔ یہ رقعہ نظم کر کے بھیجا ؎

جناب منشی عالی گہر جواہر لعل
میں جس مکان میں رہتا ہوں سنئیے اسکا حال

جو دن کو دھوپ ہے سر پر تو رات کو شبنم
یہ خشک تر ہے میری جان کے لیئے جنجال

تمام بانسوں کے خاطر کنوؤں میں بانس پڑے
مگر کسی سنے نہ اک بانس کا کیا اقبال

سُنا ہے آپ کی تحصیل میں ہیں بانس بہت
جہاں سے گنج میں آئے وہاں ہی ٹال کی ٹال

مجھے بھی دیجئے اُن میں سے اسّی نّبے بانس
جو حکم دیجیئے تو کٹ آئیں کچھ نہیں ہے محال

جو کچھ پڑیگی کٹائی ڈھلائی میں حاضر
قرار بر کف آزادگان نہ گیرد مال

بُرا جو مانو بُرا ماننے کی بات نہیں ہے
نہ آپ ہو نگے امیر اسمیں اور نہ میں کنگال

جواب دو گے نہ جب تک نہیں ہی قدر کو چین
نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

اِس نظم کو پڑھ کر تحصیلدار صاحب بانس تو کیا اپنے آپ کو نذر کرنے کے لیئے تیار ہو گئے اور کمال عزت اور قدر دانی فرمائی فوراً اپنے چپراسیوں کی معرفت بانس کٹوا کر ضرورت سے بھی زیادہ بھجوا دیئے۔

جناب علیش و سراج لکھنوی

شیخ فدا علی عرف اچھے صاحب علیش شاگرد میر دوست علی خلیل مشاہیر شعرائے لکھنؤ میں سے تھے۔ جبکہ گوہر نامی ایک طوائف کی کسی جوہری نے بصرف زر کثیر مستی کی تھی۔ اور اس نے اکثر شعرائے شہر کی اِس خوشی میں بڑی دھوم سے دعوت کی تھی مگر شامتِ اعمال سے علیش مرحوم کو دعوت دینا بھول گئی اِس موقع پر ایک قطعہ تاریخ نظم فرمایا تھا وہ تاریخ یہ ہے

قطعہ

مستی مل کر جبکہ گوہر، گوہر ابلق بنی
جوہری کا صرف زر بے دل تہ و بالا کیا

رنگ کیا اپنا جمایا مصرعۂ تاریخ نے
خوب ہی گوہر کا اس مستی نے مُنہ کالا کیا

اسکے بعد وہ طوائف در دولت پر حاضر ہوئی - بہ نہایت معذرت کی مگر کیا ہوتا ہے - وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز نہ می آید -

ایک خاص بے تکلف جلسہ مین ایک بائی جی مہمان تھین - باتین کرتے کرتے دو چار بار آئینہ اُٹھایا دیکھا پھر رکھدیا - آئینہ دیکھکر ہر شخص کا ہاتھ بڑھ جاتا ہے نہ کہ ایسے لوگ جنکا آئینہ خاص تکیہ ہو جاتا ہے وہ آئینہ نہ دیکھین تو کون دیکھے - دیکھنے والون نے نظر لگا دی - کسی مست شباب کے ہاتھ سے آئینہ گرا اور ٹوٹ گیا - حجاب دل مین ضرور ہوا - مگر غرور حسن ناز اور شوخی نے شرم کو دور کردیا اور تیوریون پر بل ڈال کے یہ کہا کہ ہم کیا کرین - ہاتھ سے آئینہ چھوٹا اور گر کے ٹوٹ گیا - ہوگا اب اور منگوا ئیے - ایک چوٹ کھائے ہوے دل پر اس کا اثر ایسا ہوا کہ بیساختہ یہ شعر زبان سے نکل گیا ؎

شیشۂ دل توڑ کر بولا وہ شوخ
دیکھتے تھے چھٹ پڑا ہم کیا کرین

یہ واردات دل تھی اور شاعری مین ایک حد تک اظہار حال دل مین کچھ باک نہین ہونا چاہیئے وہ واقعی ہو لیکن فرضی سمجھا جاتا ہے اس وجہ سے مین جرأت کر کے شاعر کا نام بتاتا ہون - سراج الحسن صاحب تخلص سراج - مولد و مسکن خاص لکھنؤ - ابھی بہت تو عمر ہین - یہ انکی ابتدا تھی سب سے پہلا شعر غالباً یہی ہو مگر ؎

شعر

بچپن سے اُن کی آنکھ مین شوخی بلا کی ہے
بجلی مین ابتدا سے تڑپ انتہا کی ہے

اُس وقت تک کسی ملنے والے کو یہ گمان تک نہ تھا کہ اُنھون نے کوئی مصرعہ کبھی موزون کیا ہے - اب تو مشاق ہو چلے ہین - اور مشاعرون مین غضب ڈھاتے ہین - ماشاء اللہ چشم بد دور - خوب کہتے ہین -

جناب حسرت لکھنوی و بیخود

سندیلہ کا سالانہ مشاعرہ ۱۹۱۷ء کا تھا خاکسار مؤلف معہ حضرات بیخود موہانی، یاس عظیم آبادی - ندرت - حمید میرٹھی حسرت لکھنوی - واقف کسوانی ایک ہی گاڑی مین سوار ہوا - باہم شعر و سخن کا چرچا تھا - ایک دوسرے سے اشعار سُننے سنانے کی فرمائشین ہو رہی تھین - ناگاہ میری نگاہ ایک ایسی صورت سے دوچار ہوئی کہ بے اختیار دل بھر آیا اور بیساختہ زبان سے نکل گیا ع

اے گل بتو خورسندم تو بوئے کسی داری

گو راستے بھر شعر و شاعری کے چرچے رہے مگر مجھے کسی کو نگاہ حسرت سے باربار دیکھتے دیکھکر جناب حسرت نے سبب استفسار کیا - چونکہ انتہا کی بے تکلفی تھی مین نے اپنی اضطرابی کیفیت کا مختصر قصہ اور وجہ پریشانی بیان کردی کہ یہ صورت ایسی مرغوب و محبوب سے مشابہ ہے کہ اُسکی گذشتہ وفائین یاد آ آ کے مجھے بیتاب کئے دیتی ہین - چنانچہ میری یاس آمیز تقریر سُننے کے بعد پیارے حسرت نے یہ بے مثل شعر نظم کیا جو اُس وقت کی حالت کا سچا فوٹو کہا جا سکتا ہے وہ شعر یہ ہے -

کسی کی تصویر جو ملی ہے تو دل مین اک ہوک سی اُٹھی ہے
نگاہ کچھ اس طرح جمی ہے کہ جیسے ناآشنا نہین ہے

جناب بیخود بھی مجھے باربار دیکھ رہے تھے اور بجائے اسکے کہ مجھ سے کچھ استفسار کرتے میرے اضطراب کی یون تصویر کھینچتے ہین ؎

نکلا کسی طرح نہ مری تیوریون کا بل
اک خط پڑا تھا جو خط تقدیر ہو گیا

افسوس کہ میرا بس نہ تھا ورنہ جناب بیخود کا مُنہ موتیون سے بھر دیتا -

سلونا و مشتری

نادر شاہ جب دہلی سے ایران جانے لگا اُس وقت ہندوستان کے بہت سے باکمالون کو اپنے ساتھ لیگیا منجملہ اُن کے مسماۃ سخا بائی و سلونا بھانڈ جو اپنے اپنے فن کے یکتا ر زمانہ تھے انکو بھی لیگیا ایک دن محفل رقص و سرود مین بائی جی سے بے انتہا خوش ہوا۔ پوچھا کیا چاہتی ہے اِس نے ہاتھ باندھکر عرض کی کہ لونڈی آزاد کردی جائے اسکو ہندوستان آنے کی اجازت دیدی گئی - یہان سلونا اور بائی جی کی ایسے موقعون پر بے طرح نوک جھونک ہوا کرتی تھی - بائی جی کے چلے جانے سے اسکا جی گھبرانے لگا - دوسرے دن اس نے بھی اپنے جوہر کمال دکھائے بادشاہ نے اس سے ایسا ہی سوال کیا تو کہتا کیا ہے ؎

خواہش یہ مختصر سی ہی قصہ تو طول ہی بائی نہین رہی تو سلونا فضول ہی

غرضکہ انکی بھی رہائی ہوئی - (بزرگون سے سنا ہے)

مشتری طوائف لکھنؤ کی رہنے والی میان شمس کی فیض صحبت نے جسکی شاعری کو چمکا دیا تھا - ایک محفل مین غزل گا رہی تھی - جب اُس نے مقطع کا یہ شعر گایا ؎

خریدار بازار مین پھر رہے ہین دلِ مشتری اب بکا چاہتا ہے

کوئی صاحب بول اُٹھے بی صاحبہ ایک شعر آپ بھول گیئن - اس نے کہا ہان اب آپ بتائیے - اُنہون نے یہ کہا ؎

حمل تو مہینے کا ہے مشتری کو
کوئی دم مین بچہ ہوا چاہتا ہے

اس نے کہا ہان حضرت ایک شعر اور بھی بھولی تھی وہ بھی سُن لیجئے ؎

بھلا خوش نہ ہو کیسے ماما ے برادر
کہ ہمشیر زادہ ہوا چاہتا ہے

یہ اپنا سا مُنہ لے کے رہ گئے۔

اُمراؤجان آدا

اُمراؤجان آدا جنکی سوانح عمری مرزا رسوا نے لکھی ہے ایک موقع پر وہ لکھتے ہین
کہ امراؤجان نواب سلطان جہان کو جو لکھنؤ کے معزز نواب زادون مین تھے صورت وسیرت مین بھی
بینظیر تھے پیار کرتی تھی وہ بھی اسکے حسن لیاقت اور تمیزداری کے اوپر جان فدا کئے ہوئے تھے
مگر کسی وجہ سے نواب صاحب نے اُسکے یہان آنا جانا بالکل ترک کردیا۔ ایک دن کسی محفل مین اتفاقیہ
سامنا ہوگیا۔ بی امراؤ کو جو مدتون کے بعد نواب صاحب کی زیارت نصیب ہوئی بھری محفل مین
اور تو کوئی موقع نہ ملا اشارون سے کچھ شکوے گلے کرلئے مگر اس سے جی کا بخار کہان نکلتا ہے
اُمراؤجان نے وہین کہین ایک پرچہ کاغذ کا مل گیا اُسی پر کوئلے سے ایک شعر لکھ کر رکھ چھوڑا۔
ایک لڑکا جو نواب کی بغل مین بیٹھا ہوا تھا جب وہ ادھر کسی ضرورت سے اُٹھ کر آیا۔ اس نے
اشارہ سے بُلا کر وہ کاغذ دیا اور کہا میان نواب سلطان جہان کو یہ کاغذ دیدینا۔ یہ لڑکا شاید نواب کا
چھوٹا بھائی تھا اُس نے جب نواب کو لاکر وہ کاغذ دیا۔ اُنھون نے جو دیکھا تو شعر لکھا تھا ؎

مُدتون سے ہم ہین محرومِ عتاب   بزم مین آج اُن کو چھیڑا چاہیے

دیکھ کر نواب صاحب لوٹ گئے اور گھر جاکر دوسرے دن آدمی بھیجکر اپنے ایک بے تکلف دوست
کے گھر بلوا بھیجا اور اُس تاریخ سے برابر اُمراؤجان سے وہین ملتے رہے اور دونون کو ایک
دوسرے سے لطف صحبت کا مزا آتا رہا۔

مؤلّف کتاب ہذا صفدر مرزاپوری

ایک دن راقم الحروف مکرمی محمد انعام اللہ خان صاحب عارف منصرم کمشنری کے
مکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ پرنس فلک ناز محمد باقر علی خان کے مشاعرے کا ذکر تھا۔ اسی
سلسلۂ بیان مین جناب عارف نے فرمایا کہ کل نوروز ہے آپ جناب فلک کے لیئے ایک
قطعۂ تاریخ ضرور کہیئے۔ مین نے عرض کیا بہت بہتر۔ اُسی وقت ایک قطعۂ تاریخ نظم کر کے
حضرتِ عارف کو سنایا۔ جسے موصوف نے بے انتہا پسند فرمایا۔ دوسرے دن جناب فلک کی

خدمت مین یہ قطعہ پیش کیا۔ اُنھون نے بھی بے انتہا پسند فرمایا اور کسی قدر اُس کا صلہ بھی عطا فرمایا۔ قطعہ تاریخ یہ ہے ؎

صبح سے حاضر درِ عالی پہ ہی نوروز آج
نور افزا ہو یہ دن یارب نظر افروز ہو

نذر دے یہ مصرعہ تاریخ صفدر لکھ کے تو
اے فلک تجھکو مبارک روز یہ نوروز ہو

سنہ ۱۳۳۵ھ

مؤلف کتاب ہذا سنہ ۱۹۰۴ء مین ایسا سخت بیمار ہوا کہ حکیمون اور ڈاکٹرون نے بالکل جواب دیدیا۔ خود اپنی زندگی سے یاس ہو گئی۔ موت کی بھیانک صورت آنکھون مین پھرنے لگی۔ اُسی حالت سراسیگی و مایوسی مین یہ ایک شعر کہہ کر اپنے ایک دوست کو لکھا تھا کہ میرے لوح مزار پر کندہ کرا دیجیے گا۔ وہ شعر یہ ہے ؎

جو آ گئے ہو تو دو بول فاتحہ پڑھ دو
مزارِ صفدرِ ناشاد دیکھتے کیا ہو

مرزا نوشہ غالب

جناب شوکت بلگرامی اُردوے معلی بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۱ع مین رقم طراز ہین کہ میرے ایک بزرگ سنے مجھ سے بیان فرمایا تھا۔ کہ مین ایک دفعہ مع چند احباب کے دہلی مین مرزا غالب کی ملاقات کو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا قوت سماعت سے بے بہرہ ہو چکے تھے۔ دوات قلم کاغذ ہر وقت سامنے رکھا رہتا تھا اور جو حضرات ملنے آتے تھے وہ اپنا مدعا لکھ کر پیش کرتے تھے۔ چنانچہ جسوقت ہم لوگ اُنکی خدمت مین پہونچے تو حسب عادت اُنھون سنے دوات قلم کاغذ آگے بڑھا دیا اور فرمایا۔ ارشاد۔ مین سنے لکھا کہ ہم لوگ آپکا کلام بلاغت نظام آپکی زبان فیض ترجمان سے سُننا چاہتے ہین۔ یہ دیکھ کر فرمایا بہت اچھا۔ اور اسکے بعد "سمجھا مین کیا۔ دکھلا مین کیا" یہ غزل سنانی شروع کی۔ اور جب یہ مقطع پڑھا کہ ؎

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے　　کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

تو فرمایا کہ کچھ سمجھے بھی۔ ہم سنے (اس خیال سے کہ جو ہم سمجھے ہین اگر وہ انکا منشا نہ ہوا تو بگڑ بیٹھینگے) عرض کیا کہ مطلق نہین سمجھے۔ اِس پر مسکرا کر فرمایا۔ ہان نہین سمجھے ہوگے سنو! ایک زمانہ ہوا جب وہان گئے تھے۔ جانتے ہو کہان؟ عرض کیا نہین۔ کہنے لگے اجی وہین۔ اپنے معشوق کے پاس مگر یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جب ہم جیتے تھے یعنی جوان تھے۔ سر پر بال تھے۔ گھنی داڑھی تنا ہوا سینہ بھرے بھرے بازو چمپئی رنگ تھا۔ نگاہ اُٹھا دیکھتے تھے تو آنکھون سے شعلے نکلتے تھے۔ چلتے تھے تو در و دیوار دہلتے تھے۔ اُس وقت گئے گئے پھر کب گئے۔ اب جبکہ آنکھون مین نور دل مین سرور نہ رہا سماعت مین فرق آگیا۔ کمر جھک گئی۔ اب ہمکو اس ہئیت کذائی مین دیکھ کر ؎

پوچھتے ہین وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائین کیا

نوٹ۔ یہ لطائف میرے محب قلبی حضرت محوی لکھنوی نے مجھے لکھکر بھیجے جب کتاب "بزم خیال" کی کاپیان لکھکر مطبع کو جاچکی تھین۔ چونکہ لطائف نہایت دلچسپ تھے اس لیئے بلا ترتیب آخر مین درج کیے گئے۔ مؤلف

میر انیس مرحوم

یہ مشہور قصہ ہے کہ میر انیس مرحوم نے بچپن مین ایک بکری پالی تھی جسکو بہت چاہتے تھے جب وہ مری تو انکو بہت ملال ہوا اور اُسکے مرنے پر یہ شعر فرمایا ؎

افسوس کہ دنیا سے سفر کر گئی بکری
آنکھین تو کھلی رہ گئین اور مر گئی بکری

سُنا ہے کہ جب انکے والد کو خبر ہوئی تو ہونہار بیٹے کو بُلا کے مکرر اس شعر کو پڑھوایا۔ تعریف سے دل بڑھایا۔ اور اس خوشی مین کہ صاحبزادے نے پہلے پہل شعر کہا ہے اپنے بیگانون مین مٹھائی تقسیم کی اور بڑی دھوم دھام سے انیس مرحوم کی شاعری کی بسم اللہ ہوئی۔

میر آغا حسین صاحب جو عمائدین دہلی مین سے ہین اور اب غالباً حیدر آباد دکن مین تشریف رکھتے ہین بیان فرماتے تھے کہ مین ایک دفعہ حالت مرض الموت مین میر انیس مرحوم کی عیادت کو گیا۔ معلوم ہوا کہ زنان خانہ مین تشریف رکھتے ہین۔ اطلاع کی تو پردا کروا کے مجھے بلا لیا۔ اندر گیا تو دیکھا کہ میر صاحب مرحوم لحاف سے مُنہ ڈھانپے لیٹے ہوے ہین اور میر نفیس مرحوم پہلو مین بیٹھے ہین۔ مین بھی اُنہین کے پاس بیٹھ گیا اور پکار کے پوچھا کہ میر صاحب مزاج کیسا ہے میر صاحب نے لحاف کے اندر ہی سے فرمایا ؎

ضعف و ناطاقتی و سُستی و اعضا شکنی
ایک گھٹنے سے جوانی کے بڑھا کیا کیا کچھ

مین چونکہ انکی خدمت مین گستاخ تھا اس لئے بیباکانہ عرض کیا کہ حضرت یہ تو آپ میر مرحوم کی زبانی اپنا حال بیان فرما رہے ہین۔ یہ سُن کے میر صاحب نے مُنہ سے لحاف ہٹایا۔ چند سکنڈ تک بغور میری طرف دیکھتے رہے اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کے یہ مطلع فی البدیہ فرمایا ؎

ایک جوانی کیا گئی سو درد پیدا ہو گئے
تو ہی اے پیری بتا ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے

حضرت امیر مینائی رحمتہ اللہ علیہ

جناب شوکت بلگرامی اُردوے معلی ماہ نومبر ۱۹۱۵ء مین یون رقم طراز ہین کہ میرے جلیل القدر دوست حافظ جلیل حسن صاحب جلیل بیان فرماتے تھے کہ حضرت کو بچپن ہی سے

شاعری کا چسکا تھا۔ یہ خبر جب انکے والد ماجد کو پہونچی۔ ایک دن شب کو جبکہ منشی صاحب مرحوم بیٹھے پانون دبا رہے تھے اُنکے والد ماجد نے پوچھا کہ میان ہمنے سُنا ہے کہ تم شعر کہتے ہو ذرا ہم بھی تو سنیں کہ ہمارا امیر کیسا شعر کہتا ہے۔ یہ سُن کر پہلے تو امیر مرحوم بہت انکار کرتے رہے مگر شفیق باپ کی محبت آمیز اصرار سے مجبور ہو کر عرض کیا کہ گھر مین سب لوگ کہا کرتے ہین کہ برسات گذری جاتی ہے اور بارش نہین ہوتی۔ اسی مضمون کو لکھا ہے۔ اور اس تمہید کے بعد یہ شعر جو حضرت نے اُسی زمانہ مین تصنیف فرمایا تھا عرض کیا ؎

ابر آتا ہے ہر بار برستا نہین پانی　　　اِس غم سے ہی یا روے اشکون کی روانی

یہ سُن کے شفیق باپ نے تعریف سے دل بڑھایا کہ بھئی شعر تو بہت صاف ہے اور مضمون بھی سچا۔ لیکن تمہارا سِن ابھی اس شغلہ کے لئے موزون نہین۔ پہلے اچھی طرح لکھ پڑھ لو پھر شعر کہنا۔ یہ واقعہ اُس زمانہ کی ہے جب منشی صاحب کا سِن پندرہ برس کا تھا ممکن ہے کہ اسکے قبل اُنھون نے اور بھی شعر کہے ہون لیکن عموماً لوگون کو جو اُنکی شاعری کا حال معلوم ہوا وہ اسی واقعہ سے پندرہ برس کے لڑکے کا خیال تو آپ سُن چکے۔ اب بہتر برس کا مشتاق سخن کیا کہتا ہے۔ ۱۳۱۸ھ کا واقعہ ہے کہ جب امیر صاحب مرحوم نے حیدر آباد کا سفر کیا جو حقیقتاً اُنکا سفر آخرت تھا تو راہ مین ایک مسدس علیحضرت حضور نظام خلد آشیان کی مدح مین تصنیف فرمایا تھا جو سہ نظم امیری کے نام سے چھپ چکا ہے اور وہ ہی اُنکا آخر کلام سمجھا جا سکتا ہے لیکن حقیقتاً اسکے بعد بھی انھون نے ایک غزل کے چند شعر کہے تھے جس کا مقطع جو حقیقت مین امیر مرحوم کی شاعری کا مقطع ہے اُن کا انتہائے کلام ہے اور وہ یہ ہے ؎

شاعری مین امیر کے خاطر
میر اپنی زبان چھوڑ گئے

افسوس ہے کہ میر رہے نہ اُنکی زبان۔ خالی باتین رہ گئی ہین۔ ہائے مجھے اُستاد مرحوم کا یہ کہنا کسی طرح نہین بھولتا ؎

ہے آج جو سرگذشت اپنی
کل اُسکی کہانیان بنین گی

جناب عارف و فصیح

مکرمی مولوی محمد انعام اللہ خان صاحب عارف متصرم کمشنری لکھنو۔ فصیح الملک حضرت داغ مرحوم کے ارشد تلامذہ مین سے ہین۔ موصوف کے پاس ایک مرتبہ راجہ محمود آباد نے بطور تحفے کے اپنے باغ کی دسہریان بھیجین جنکی رسید مین آپنے ایک بھڑکتا ہوا شعر فی البدیہہ لکھکر بھیجا جو درج ذیل ہے ؎

اُٹھائین لطف وہ برسات مین مسہری کے | جنھون نے آم کھلائے ہین دسہری کے

جناب عارف کے چھوٹے بھائی مولوی احسان اللہ خان صاحب نے نیا مکان تعمیر کرایا اور موصوف سے تاریخ کی فرمایش کی۔ آپنے فی البدیہہ یہ ذیل کا قطعہ موزون فرمایا ؎

ہے درِ فیض درِ خانہ احسان آباد | رات دن دادو دہش رات دن افزایش داد

مین نے یہ ادطلب مصرع تاریخ کہا | مرے اللہ رہے خانۂ احسان آباد

مولوی فصیح اللہ صاحب فصیح سندیلوی ایکدن اپنی خاص ضرورت سے اپنے کسی دوست کے پاس گئے۔ جو سوال وہ اُن سے کرنے والے تھے وہی سوال اُنھون نے اُن سے کیا یہ اپنے دل مین بہت شرمائے اور اُن سے معذرت کی اُسی وقت یہ شعر اُنکی زبان سے نکل گیا ؎

قسمتون سے کوئی ہمدرد جو ملتا ہے کبھی | وہ بھی کم بخت مصیبت مین گھرا ہوتا ہے

خواجہ مجد الدین ہمگر و حضرت سعدی

ایکدن خواجہ شمس الدین صاحب دیوان امیر معین الدین حاکم روم افتخار الدین کرمانی اور ملا نور الدین صدری باہم صلاح کرکے خواجہ مجد الدین ہمگر کے پاس آئے جو حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا جلیل القدر معاصر تھا اور شیخ علیہ الرحمۃ کے کلام پر محاکمہ کی درخواست کی جواب مین مجد الدین ہمگر نے یہ رباعی پڑھی ؎

ما گرچہ بہ نطق طوطی خوش نفسیم | بر شکر گفتہ ہاے سعدی مگسیم

در شیوۂ شاعری بہ اجماع اُمم | ہرگز من و سعدی بہ امامی نرسیم

رفتہ رفتہ یہ رباعی سعدی علیہ الرحمۃ تک جا پہونچی آپ کی سیف زبانی تو مشہور ہے آپنے اُسکے جواب مین

ایک رباعی لکھی جو چارون طرف مشہور ہو گئی وہ رباعی یہ ہے ؎

ہر کس ببارگاہ سامی نرسد　　از بخت سیاہ و بدکلامی نرسد
ہر گہ کہ بعمر خود نکردہ است نماز　　شک نیست کہ ہرگز بامامی نرسد

ایک دفعہ خواجہ شمس الدین جو حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا بڑا معتقد تھا تبریز سے پانچ سو دینار نذرانہ اپنے غلام کے ہاتھ آپکی خدمت مین ارسال کئے راہ مین غلام ناکام نے ڈیڑھ سو دینار خود ہضم کر لیے۔ وہ جانتا تھا کہ شیخ چشم پوشی کریگا اور کچھ نہ کہیگا۔ آپ نے دیکھا کہ پانچ سو لکھے ہین اور غلام ساڑھے تین سو دیتا ہے بجائے رسید یہ قطعہ لکھدیا ؎

خواجہ تشریفم فرستادی و مال　　مالت افزون باد و خصمت پائمال
ہر بدیناری بیت ساسلے عمر باد　　تا بمانی سہ صد و پنجاہ سال

متفرقات

(۱) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے لئے سلطان سنجر نے صوبہ نیمروز وقف کرنا چاہا تو آپ نے لکھا ؎

چون تاج سنجری رخ بختم سیاہ باد　　با فقر گر بود ہوس تاج سنجرم
تا نالہ ام خبر دہد از ملک نیم شب　　صد ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

(۲) خاقانی جو ایک بڑا شاعر اور حسان عجم کے لقب سے ملقب تھا۔ اپنے خسر اور استاد ابوالعلاء گنجوی کی ہمیشہ ہجو کیا کرتا تھا۔ اسکے کلام مین ایک جگہ اس طرح اسکی ہجو ہے ؎

بینی سگِ گنجہ را درین کو　　ہم زرد قفا و ہم سیہ رو

ابوالعلا نے بھی کمی نہین کی اور ایک دفعہ یہ شعر لکھ بھیجے ؎

خاقانیا اگرچہ سخن نیک دانیا　　یک نکتہ گویمت بشنو از سگانیا
ہجو کسے مکن کہ ز تو مہ بود بسن　　شاید کہ او پدرت بود و تو نہ دانیا

(۳) سلطان سنجر ایک دفعہ سیر و شکار کے لیئے باہر گیا۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک پنبہ زار کے قریب ایک

شخص اونٹ کی مہار ہاتھ مین لئے اُسے چرا رہا ہے لیکن اونٹ گردن بڑھا کے پنبہ کھانا چاہتا ہی
وروہ شخص اُسکی مہار کھینچ کے کہتا ہے ؎

اشتر صراحی گردنا | وانم چہ خواہی کردنا
گردن درازی می کنی | پنبہ بہ خواہی خوردنا

سلطان سنجر اُسکی موزونی طبع سے اس قدر خوش ہوا کہ اُسکی تربیت کے لئے شعرائے پایۂ تخت کو حکم دیا
آگے چل کر یہی دہقان عبدالواسع جبلی کے نام سے مشہور ہوا ؎

(۴) شہزادۂ مراد بڑا سخن سنج شہزادہ تھا۔ سعید خان اسکا مقرب اور شاعر تھا۔ ایک دفعہ عید اضحی
کے موقع پر شاہزادہ نے اپنے ہاتھ سے گوسفند ذبح کر کے قربانی کی رسم ادا کی۔ سعید خان پاس کھڑا
تھا۔ گوسفند کی پتھرائی ہوئی آنکھین دیکھکر اُسی وقت عرض کیا ؎

عید قربان ست میخواہم کہ قربانت شوم | ہمچو چشم گوسفند کشتہ حیرانت شوم

(۵) مرزا محمد مہدی خان نادرشاہ کے عہد کا مشہور ناظم ونثار تھا ایک دفعہ دربار شاہی مین
حاضر تھا۔ چلتے ہوے اُسکا پانون ایک کاسۂ چینی پر جا پڑا جو فغفور چین نے بطور تحفہ بھیجا تھا
نادرشاہ کی آتش غضب بھڑک اُٹھی اور بنظر قہر محمد مہدی خان کی طرف دیکھا۔ مرزا نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا

کاسۂ این مغفر فغفور چین پنداشتم | چون سگِ این آستان بودم زپا انداختم

نادرشاہ اُچھل پڑا اور ایک بیش بہا خلعت عنایت کیا۔ درۂ نادرہ۔ اور جہان کشای نادری۔ اسی مرزا
محمد مہدی خان کی تصنیف کی ہوئی ہین۔

(۶) لکھنؤ کے ایک شیخ زادہ نے مرزا رفیع سودا سے اس مصرعہ پر مصرعہ لگانے کو کہا ع
"اے سنگ نازکی مین تو کامل نہ ہو سکا" مرزا رفیع نے دوسرا مصرعہ یون کہا ع
شیشہ گداز ہو کے نیا دل نہ ہو سکا

(۷) مشہور ہے کہ کسی صاحب نے سودا کے سامنے یہ مصرعہ "اک نظر دیکھنے سے ٹوٹ نہ جاتے ترے ہاتھ"
پڑھا۔ مرزا نے برجستہ جواب دیا ؎

لیلی آتنا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری
اک نظر دیکھنے سے ٹوٹ نہ جاتے ترے ہاتھ

اب شعر کو پڑھئے کیا سے ہو گیا ۔

(۸) ایک دفعہ میر انیس نے ایک باعی مین فرمایا ؎

روتے ہین یا سے جو کہ مجلس مین انیس اشک انکے بھی موتی ہین مگر جھوٹے ہین

مرزا دبیر نے یون جواب دیا ؎

یان اشک ریائی کا بھی ہے مول بہشت موتی سچے ہین جوہری جھوٹے ہین

تمام شد

دلچسپ اور مفید کتابین

آثار سانچی

بھوپال کے قریب سانچی نامی ایک تاریخی مشہور مقام ہے - وہان کے مناظر بیحد دلفریب ہین بعض شکستہ عمارات اور کھنڈرات مین قدیم نقاشی اور فن مصوری کے جو جو نمونے پائے جاتے ہین اُنہین دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ زمانہ گذشتہ مین کیسے کیسے ماہرین فن موجود تھے - بودھ مذہب کے صدہا گنبد اور منار وہان موجود ہین جنکے دیکھنے کے لیئے امریکا اور جرمنی تک کے لوگ آتے ہین اور یہان کے تاریخی حالات اور معلومات سے مالامال ہوکر جاتے ہین اور انکی اشاعت کرکے لاکھون روپیہ پیدا کرتے ہین - جناب رشد تھانوی نے وہان کی سیر سے لطف اندوز ہوکر وہان کے تاریخی حالات اور نقش و نگار کو اپنے مخصوص شاعرانہ انداز مین صفحات کاغذ پر نمایان کیا ہے - کتاب مصنف کی طبعزاد نظم اور تصاویر سے آراستہ ہے - محاورات کی شستگی اور الفاظ کی تراش خراش خاص طور پر قابل قدر ہے - کچھ نثر منونتا درج کیجاتی ہے نزہت گاہ ہستی کی دلفریبیان انسان کو کبھی نچلا نہین بیٹھنے دیتین -

"لطف مشاہدہ کا ذوق خود بخود اسکا ہاتھ پکڑکر اس مقام کی جبین سائی کرا دیتا ہے - جہان فطرت کی گلکاریون کے بیش بہا نمونے اپنی داد طلب خوش منظری سے اسکا انتظار کرتے ہین - قیمت رعایتی ۴؎

حجاج بن یوسف

جرجی زیدان اڈیٹر الہلال مصر کے ایک معرکۃ الآرا ناول کا ترجمہ جس مین خلیفہ عبدالملک کی پالیسی حجاج بن یوسف کے مظالم - حجاج اور عبداللہ ابن زبیر کا معرکہ - کعبہ کا محاصرہ - عبداللہ ابن زبیر کی شہادت - خلافت کے مدعی اور اُنکے جوڑ توڑ حسن نامی ایک نوجوان کا عرب کی ایک مشہور لڑکی پر عاشق ہونا - یہ واقعات دلکش انداز اور سلیس عبارت مین بیان کئے گئے ہین - اس کتاب کے دیکھنے سے اس زمانہ کے طریق جنگ اور رسم و رواج پر کافی روشنی پڑتی ہے - ترجمہ کی خوبی کے لئے سید ظہور احمد ندوی سب اڈیٹر ہمدم کا نام کافی ہے قیمت عہ؎

انقلاب قسطنطنیہ

جنگ ہفت سالہ کے سلسلہ مین ترکون اور اتحادیون کے جان توڑ مقابلے - ترکون کی جانبازی اور سرفروشی کی داستان حسن و عشق کا فسانہ رزم و بزم کے سین نئی روشنی کے حربی آلات نیزہ اور تلوار کے معرکے - ناول کا ناول اور تاریخ کی تاریخ قیمت عہ رعایتی ۸؎

عیار فقیر

مکار فقیر کی چالبازیاں ظلم وستم اور دغا فریب کا پردہ فاش کیا گیا ہو ان بدمعاشوں کی چالوں سے محفوظ رہنے کے لئے اس کتاب کو ایک بار پڑھ جائیے جیسہ نامی ایک لڑکی کا ایک مکار فقیر کے دام فریب میں گرفتار ہونا اور مصائب میں مبتلا ہونے پر بھی اپنی عصمت کی حفاظت کرنا۔ آخر کار ان بدمعاشوں کا بھنڈا پھوٹنا اور لڑکی کو نجات ملنا بہت ہی درد انگیز ناول ہے۔ اس کے فروخت کرنے سے مقصود صرف پیسہ کمانا نہیں ہے بلکہ اہل ملک کو ان بدمعاش مکاروں کی عیاریوں سے باخبر کرنا ہے۔ قیمت ۸ر

محاصرۂ پیرس

پیرس کا محاصرہ۔ اہل فرانس کا انداز مدافعت۔ قیصر جرمن کی پولیٹیکل چالیں اور انکا جواب اتحادیوں کی طرف سے۔ غنیم پر محصلوین کے جان توڑ حملے۔ ہندوستانی افواج کی مدد۔ اور اہل فرانس کی گلو خلاصی۔ جنگ یورپ کے حیرت انگیز حالات۔ جدید آلات جنگ کا استعمال۔ پیرس کی تباہی۔ تاریخ کی تاریخ قصہ کا قصہ۔ ایک حسین محبوبہ کا جذبہ وطن پرستی اور اُسکے نتائج بہت ہی دل آویز پیرایہ میں قیمت عہ رعایتی ۸ر

حیرت انگیز شہر

ایک نوجوان سادہ دل کا ایک حسینہ کے دام محبت میں گرفتار ہونا مسلسل مصائب کا سامنا کرکے آخر گوہر مقصود کو پالینا۔ ضمنی طور سے بہت سے دلچسپ واقعات آگئے ہیں جو بذات خود ایک وزن رکھتے ہیں۔ مزدوروں اور سرمایہ داروں کی کشمکش خود غرض پارٹیوں کی خود غرضی اور مزدوری پیشہ طبقہ کے ہنگاموں سے ملک کی تباہی۔ عجیب وغریب حیرت انگیز واقعات مختلف جماعتوں کے لیڈروں کا دلچسپ مکالمہ۔ زبان اعلیٰ درجہ کی۔ اگر قصہ سے قطع نظر کیجائے تاہم ادبی حیثیت سے کتاب دیکھنے کے قابل ہے۔ لکھائی چھپائی نفیس۔ قیمت ۸ر

سراب فیشن

فیشن پرستی کے مہلک نتائج۔ اغیار کی تقلید کا قابل عبرت نتیجہ۔ موجودہ تعلیم اور کاروبار تجارت کا موازنہ۔ ایک تعلیم یافتہ نوجوان کا ایک یورپین لیڈی سے شادی کرنا اور آخر میں اُس بیوفا کے سلوک سے دست حسرت ملنا۔ قصہ کے علاوہ بہت سے اخلاقی نصائح بھی مکالمہ میں آگئے ہیں۔ اکل حلال کی فضیلت ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسکا پڑھنا اخلاق پر اچھا اثر ڈالتا ہے۔ قیمت صرف ۸ر

بیگمات بنگال

مرشد آباد بنگال کی بیگمات کا مستند تذکرہ جسمین ضمناً اسلام کے عروج و زوال کی داستان بھی ہے اور اسلامی تہذیب اور تمدن کے دھندلے نشانات بھی ہر ہر سوانح عمری عبرت اور نصیحت کی ایک کہانی ہے۔ مسلمان لڑکیون اور عورتون کے لئے مسلمان بیگمات کی سوانح عمریان تہذیب اور اخلاق کا بہترین سبق ہین۔ قیمت ۶/

عرض محبت

یہ ایڈ کیٹ آف کورٹ شپ کا ترجمہ ہے جس مین یورپ کے سب سے زیادہ متمدن قوم کی شادی کا دستورالعمل بیان کیا ہے۔ زوجہ پسندی اور شوہر پسندی کا جو طریق آج یورپ مین برتا جاتا ہے اسے دلچسپ اور دلکش انداز مین بیان کیا ہے۔ اگر ہندوستانی نوجوان شادی سے قبل اس دستورالعمل پر ایک نظر ڈال لین اور ہندوستانی تہذیب کے دائرہ مین رہ کر اس پر عمل پیرا ہون تو فائدہ مین رہین گے۔ اَدھا دھند شادی جوے سے زیادہ وقیع نہین۔ اس قسم کی شادی اکثر خانہ بربادی ثابت ہوتی ہے اگر زن و شوخود ایک دوسرے کو انتخاب کرین تو شاید بہت سی خانگی مشکلات سے نجات ہو جائے۔ ادبیت کا ترجمہ مین خاص لحاظ رکھا ہے۔ ترجمہ کی جھلک بھی نہین پائی جاتی۔ بہت ہی دلفریب کتاب ہے۔ قیمت ۴/

روح لیلیٰ

یہ کتاب مشہور فسانہ نویس "میری کوریلی" کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس مین روحانی مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک شخص مسمریزم کی قوت سے ایک مردہ لڑکی کی روح کو محبوس کر لیتا ہے اور اسکے جسم کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے اور اسکے ذریعہ سے بہت سے علمی رازون کے انکشاف کا کام لیتا ہے۔ وقتاً فوقتاً اسے زندہ کرتا ہے یہ ایک نہایت ہی عجیب و غریب قصہ ہے۔ یہ صرف قصہ ہی نہین ہے۔ اسکے ذریعہ بہت سی روحانی گتھیان سلجھائی ہین تفریح طبع کے علاوہ ناظرین کی معلومات مین بھی اضافہ ہوگا۔ زبان بہت ہی سلیس اور شستہ ہے۔ جس قسم کی اُردو مین ترجمہ کیا ہے۔ ویسے ترجمے شاذ و نادر ہی ہین۔ شائقین ادب قصہ سے قطع نظر کر کے اگر صرف ادبی ذوق مین اسے پڑھین تو بھی نقصان مین نہ رہین گے۔ حجم تقریباً سات سو صفحات۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ نفیس۔ قیمت سے ؏

ملنے کا پتہ

"صدیق بک ڈپو امین آباد پارک لکھنو"

فہرست لطائف شعراء اردو

دنیائے ادب مشہور سخنگو جناب صفدر مرزاپوری کی نایاب تالیف

مشاطۂ سخن

اپنی نوعیت کے لحاظ سے دنیائے ادب مین پہلی کتاب ہی جس مین مسلم الثبوت اور ماہرین فن اساتذہ کی وہ اصلاحین جمع کی گئی ہین جو انھون نے اپنے ہونہار شاگرد رشیدون کو دین اور جنکی بدولت وہ لوگ شاعری کی دنیا مین آفتاب اور ماہتاب بن کر چمکے۔ انتخاب مین صرف انہین باکمالون کو لیا ہے جنکا حرف حرف قابل تسلیم ہے اور جنکے قول کو اُردو دنیا سند مانتی ہے۔ جناب ناسخ۔ آتش۔ اسیر ذوق غالب مومن۔ منیر نسیم دہلوی۔ انیس۔ دبیر۔ امیر۔ داغ۔ تسلیم۔ جلال۔ ایسی ہستیان نہین ہین کہ جنکی اصلاحات قابل توجہ نہون شاعرانہ مذاق رکھنے والے حضرات کے لئے نایاب تحفہ ہی۔ اصلاحات پر غائر نظر ڈال کر ایک ہونہار شاعر گھر بیٹھے اُستاد بن سکتا ہی۔ قیمت عمر

مرقع ادب حصہ ا

یہ ان نایاب خطوط کا مجموعہ ہے جنھین ملک کے نامور ادیب اور سربرآوردہ حضرات نے ایک دوسرے کے نام لکھا ہے۔ اسمین کا حرف حرف سند ہی۔ ہر ہر فقرہ موتی کی لڑی ہے، زبان اُردو سیکھنے کے لیے موجودہ زبان اُردو کا بہترین مرقع ہی۔ اپنی خوبیون کے علاوہ بہت سے نامور اور باکمال شعرا اور مشاہیر کے سوانح زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہی اور ایک دوربین نظر کے لئے مکتوب اور مکتوب الیہ حضرات کا خاصہ تذکرہ ہے اکثر خطوط مین شاعرانہ نکات و حقایق پر بحث ہوئی ہی۔ کہین شاعرانہ نوک جھونک ہے کہین معاصرانہ چھیڑ چھاڑ۔ کہین لطیف ظرافت آمیز چٹکلے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

ملنے کا پتہ: صدیق بک ڈپو۔ امین آباد پارک لکھنؤ